الحق

فرمانِ رسول ﷺ

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی - باب علامات الساعۃ)

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۷
شمارہ ۳

رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
دسمبر ۱۹۹۱ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیرِ معاون : عبدالقیوم حقانی

مُدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۶۰ روپے فی پرچہ -/۶ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

سالِ نو کا آغاز
یا
اخلاقی رذالت کا طوفانِ بلاخیز

نقشِ آغاز

اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کے دور میں اسلامائیزیشن اور نفاذِ شریعت کے ہزاروں دعووں کے باوصف "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے معاشرتی اور تہذیبی اطوار کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

نئے سال ۱۹۹۲ء کی آمد کی خوشی میں بہت سے بنگلے نشاط گاہوں میں تبدیل ہو گئے۔ مغربی تہذیب سے متاثرہ خاندانوں نے اپنے بنگلوں میں عیش و طرب میں ڈوب کر نئے سال کی خوشیاں منائیں... کئی روز قبل ہی کمرے کرائے پر لیے اور جام و مے سے ایسے دل بہلاتے رہے کہ فجر کے وقت ان ہوٹلوں کے طرب انگیز کمروں میں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے ڈھیر لگ گئے — اسلام آباد میں شراب کا کھلے عام استعمال ہوا.... لڑکوں اور لڑکیوں نے بھی خاصی تعداد میں شرکت کی ان تمام مقامات میں شراب پانی کی طرح استعمال کی گئی۔ لوگوں نے اچھی شراب کے استعمال کے لیے غیر ملکی سفارتخانوں تک کے دروازے کھٹکھٹائے۔ (روزنامہ پاکستان لاہور ۲ جنوری ۱۹۹۲ء)

گجرات۔ وقاص کالونی بھمبر روڈ کی دو یتیم بہنوں کو ایک بار پھر چار نامعلوم درندوں نے ان کے گھر میں داخل ہو کر بے آبرو کر دیا۔ اہلِ خانہ کو زدوکوب کیا اور اسلحہ دکھا کر یتیم لڑکیوں سے باری باری زیادتی کی۔ یاد رہے کہ چند روز قبل بھی چار افراد اہلِ خانہ کو رسیوں سے باندھ کر مذکورہ بہنوں کو اغوا کر کے قبرستان لے گئے اور ان سے اجتماعی زیادتی کرتے رہے۔ (روزنامہ پاکستان لاہور ۲ جنوری ۱۹۹۲ء)

زوال پذیر معاشرہ میں عیش و طرب، رنگ رلیاں، شراب نوشی، فحاشی و عیاشی، عزت و آبرو پر ڈاکہ، چوری ڈکیتی، اغوا، قتل، خیانت، ملاوٹ، رشوت، جبر، ظلم اور اسی نوع کے دوسرے معائب کا پایا جانا نہ صرف مستبعد ہی نہیں بلکہ یہ رذالتیں اور بے حسی و کمینگی اس امر کی واضح اور منہ بولتی دلیل ہے کہ قومی و ملی احساس، دینی بیداری کا شعور، اخلاقی اقدار اور ملکی معاشرہ زوال پذیر ہے اور قوم من حیث القوم روبہ انحطاط ہے اور اس دلیل کا جواب، قوم کی مالی روتنی، کارخانہ داری، سیاست بازی، الزامات و اتہامات۔ مخالفین کی کردار کشی بلند بانگ دعووں اور ادھالے کے

سات سات، نو نو منزلہ عمارت کی تعمیر سے نہیں دیا جاسکتا۔ اگر قومیں مکر و فریب، دجل و منافقت، نعرہ بازی، بلڈنگوں کی تعمیرات مارکیٹوں کی رونق، ہوٹلوں کی بہار اور کارخانہ داروں کے وسیع جال بننے سے عروج و ارتقاء حاصل کرسکتیں تو کل کے روس اور آج کے امریکہ وجاپان کی جگہ قوم عاد قوم ثمود اور قوم ہود پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہوتی اور زار روس کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بجتا سنائی دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا اس لیے کہ قضا و قدر کا اصول یہی ہے اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا (ہم جب کسی ملک کو ہلاک اور برباد کر دینے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو ہمارے قانون کے مطابق مرفع الحال بے راہ رو لوگ فسق و فجور کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں تو جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو ان پر ہمارا نوشتہ صادق آتا ہے اور ہم انہیں تہس نہس کر دیتے ہیں)۔

قرآن حکیم کے اس واضح اصول اور وحی الٰہی کی اس قطعی نص کو سامنے رکھتے اور مندرجہ بالا دونوں شہروں کی نوعیت کے دسیوں واقعات جو روزانہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں کو بھی تصور میں لائیے کہیں قوم و ملت کی ہلاکت اور ملکی سالمیت کو ہمارے اپنے اعمال تو تباہ نہیں کر رہے۔ ع

خدا سے خیر سے مانگو آشیاں کی   نظر بدلی ہوئی ہے آسماں کی

قرآن حکیم کے ارشاد فرمودہ مذکورہ قانون کے مطابق عزت و ذلت اور عروج و زوال کا دارو مدار مادی ترقیات اور مالی ثروت پر ہرگز نہیں بلکہ اخلاقی قوتوں پر ہے۔ اس اعتبار سے اگر ہمارے معاشرے میں مذکورہ عیوب اور بداخلاقیاں پائی جاتی ہیں اور فحاشی اور عیاشی کے ریکارڈ توڑ مناظر سامنے آتے ہیں تو ان پر تعجب اور حیرت کی کوئی گنجائش نہیں —— لیکن اس وقت جو چیز تشویش اور اضطراب کا باعث بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اخلاقی اور معاشرتی بدعنوانیاں اب اس مرحلے کو چھو رہی ہیں کہ پوری قوم ان سے متاثر ہو رہی ہے اور دکھائی یوں دینے لگا ہے کہ قوم کے اجتماعی مزاج میں بگاڑ اس حد تک پیدا ہو چکا ہے کہ اگر اس وقت کسی مضبوط قوت نے ملت کا رخ، فسق و فجور، معصیت، و آبروریزی شراب نوشی، فحاشی اور بے حیائی سے موڑ کر اطاعت و فرمانبرداری، عدل و انصاف اور پاکبازی و پاک دامنی کی طرف نہ موڑ دیا تو ہم نوشتۂ الٰہی کے مطابق اس غار میں اوندھے منہ گرا دیتے جائیں گے جس میں ہم سے پہلے بہت سی متمدن، مہذب برسراقتدار، عروج واقتدار سے بہرہ ور اور مادی ترقیات میں ہم سے کہیں زیادہ فائق تر قومیں گرائی جا چکی ہیں اور اب ان کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے نام اور اعمال بد عبرت و موعظت کے لیے سنائے جارہے ہیں اس وقت جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں حکمران، سیاستدان، قومی راہنما، دینی زعماء اور قوم کا باشعور طبقہ غرض سب جانتے ہیں کہ جس ہولناک کثرت سے انسانی شہ رگ کا خون ہمارے شہروں میں بہایا جانے لگا ہے ملک کے تمام اضلاع بالخصوص سندھ میں انسانی قتل و غارت گری کی جو المناک صورت حال سامنے آرہی ہے اس سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت

تک پہنچ گئی ہے کہ ہم بھی درندگی اور بہیمیت میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایک انسان کی گردن کاٹنے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپنے اور اس کے سینے میں گولی پیوست کرنے کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی کھلنڈرا کسی جانور کو اپنے سامنے باندھ کر نشانہ بازی کرنے کی مشق کرنے لگے بالفاظ صحیح انسانی جان کا احترام ختم ہو چکا ہے اور ہم میں سے ہر شخص وحشت زدہ اور مبتلائے خوف ہے۔

گاڑیوں اور بسوں میں ڈاکوؤں کی رفتار اتنی تیز ہو چکی ہے کہ ہر مسافر دوران سفر اس خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھتا ہے کہ کوئی افتاد نہ پڑ جائے۔ اور بجائے اس کے زندہ وجود کے اس کی لاش اس کے گھر پہنچا دی جائے اغوا کی لعنت نے تو ہر بچی اور ہر عورت کی جان، آبرو اور عصمت کو پرخطر بنا دیا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کسی راہ چلتی عورت پر کس وقت کون سی مصیبت نازل ہو جائے اور کسی بہو بیٹی کو غنڈے سڑک، سٹیشن، موٹروں کے اڈے سے ہی نہیں، ان کے گھر کی چار دیواری سے اچک کر لے جائیں اور اس کے ورثاء تا زندگی اپنے مطلوب کو رستے ہوئے ناسور کے حوالے کر دیں جیسا کہ بطور مثال گجرات کا مندرجہ بالا واقعہ ایک مرقع عبرت آپ کے سامنے ہے ؏

حیا سر پیٹتی ہے عصمتیں فریاد کرتی ہیں

ذرا ایک قدم آگے بڑھیئے! آپ محسوس کریں گے کہ اب خوف و ہراس صرف شرفاء، غرباء اور کمزوروں ہی پر مسلط نہیں گزشتہ دو تین سال سے جس تیز رفتاری سے ڈاکہ زنی، اغوا، آبرو ریزی اور قتل و غارت کے واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے بعد تو اب ہر زور آور، ہر پارٹی باز، ہر غنڈہ اور غنڈوں کے سرغنوں تک پر یہ ہول طاری ہو گیا ہے کہ کہیں کوئی سنسناتی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست نہ ہو جائے اور نہ جانے کس لمحے کوئی خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپ دیا جائے

یہ وحشت انگیز ماحول یکایک پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر ظاہر نہیں ہوا بڑی دھیمی رفتار سے اس نے آغاز سفر کیا جب اس نے دیکھا کہ محافظ غافل اور شکار مدہوش ہے تو اس نے قدم تیز کر دیئے جب اسے محسوس ہوا کہ چارسو ہو کا عالم ہے اور حاکم محکوم سبھی اپنے دھندوں میں مصروف اس کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں تو یہ بدمست ہاتھی کی طرح شور مچاتا اور چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا ایسے میں اس نے معاشرے اور اس کے رہنماؤں میں بہت کو اپنا سرپرست اور معاون بنایا۔ تو اب اس نے طوفان کی صورت اختیار کر لی ہے —— اور ٹھیک اس وقت جبکہ اسی کی تباہ کاریوں کے خلاف اظہار اضطراب ہونے لگا ہے، اسی لمحے ہمارے ہاں کے سینما ہالوں میں، ریڈیو، ڈراموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں ہر روز لاکھوں انسانوں کو قتل، ڈکیتی، عیاشی، شراب نوشی، فحاشی، اغوا اور بدمعاشی کے ایسے ایسے گر پردہ سکرین پر عملی صورت میں دکھائے جا رہے ہیں کہ جن سے سینکڑوں افراد قتل کر کے پولیس اور پبلک دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے میں کامیاب ہو رہے ہیں ہم اپنے مکتبوں، اپنی لائبریریوں اور اپنے اخبارات کے ذریعہ ہر صبح بے شمار ڈرامے، افسانے قاتلوں کی

کہانیاں، عشق و محبت کی داستانیں اور کامیاب غنڈوں کی آپ بیتیاں اپنے ملک کے باشندوں تک پہنچا رہے ہیں جن کو پڑھ کر وہ جرائم اور مظالم کے نئے نئے طریقوں سے آگاہ ہو رہے ہیں اور عملاً ان کی مشق میں بھی کامیاب ہو رہے ہیں علاوہ بریں ہمارے ہاں جو قانون رائج ہے جس نظامِ شہادت پر فصل خصومات کی بنیاد قائم ہے مقدمات کی پیروی کے لیے وکلاء جو کردار ادا کر رہے ہیں اور عدالتیں جس رفتار سے مقدمات کا فیصلہ کر پا رہی ہیں یہ سب عناصر مل جل کر ایسی فضا تیار کر رہے ہیں کہ مجرم سزا کے خوف سے بے نیاز ہو کر ارتکاب جرم کرے ہر شریف آدمی عدالت کے کٹہرے میں شاہد کی حیثیت سے کھڑے ہونے سے گریز کرے اور جو کمی ان عناصر جزا و سزا سے رہ جائے اسے رشوت و سفارش کا عفریت پوری کر دے۔

یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے کہ شراب کی ممنوعیت کے قانون کے باوصف نئے سال کا آغاز کھلے عام شراب نوشی سے کیا جائے۔ یتیموں کے ایک ہی گھر کو اپنی ہوسِ شہوت کا بار بار نشانہ بنایا جائے اور اس کا کوئی پوچھنے والا نہ ہو قتل کے ایک مقدمے کا فیصلہ چار یا پانچ سال بعد ہو چوری کے مقدمہ کے فیصلہ ہونے تک مسروقہ مال کی طبعی عمر ہی ختم ہو جائے اغوا کے مقدمے میں اغوا کنندہ مستغیث کو اپنے وکیل کے ہاتھوں اتنا ذلیل کر دے کہ وہ آئندہ نسلوں کو بھی وصیت کرنے پر مجبور ہو جائے کہ کبھی بھی اغوا کی رپٹ نہ لکھوائی جائے تو اس کا انجام اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ یہ جرائم روز افزوں ترقی کریں اور معاشرے کے افراد دو حصوں میں منقسم ہو جائیں اور ایک جانب خونخوار بھیڑیے اور دوسری جانب مدافعت کی محروم بھیڑیں۔

موجودہ حالت کے قبیح ترین تناظر میں ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اے کاش!

ایسے مربی افراد، ایسے زعماء قوم اور بہی خواہان ملت معاشرے میں موجود ہوتے جو اپنے قول اور سیرت دونوں سے افراد معاشرہ کو یہ یقین دلا سکتے کہ اس ناپائیدار زندگی کے بعد نہ ختم ہونے والی زندگی شروع ہوگی اور اس کے اچھے برے ہونے کا تمام تر دار و مدار اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے درست اور نہ درست ہونے پر ہے۔

حکمران وہ ہوتے جو مناصب اور عہدوں کے حریص نہ ہوتے جو منافقت اور مفاد پرستی سے آشنا نہ ہوتے اور جو ہر آن اس یقین سے سرشار ہوتے کہ وہ عوام و خواص کی جانوں، ان کے اموال، ان کی عزتوں اور عصمتوں کے نگران ہوتے اور ان کی کامیابی اور ناکامی کا مدار اسی پر ہوتا کہ وہ اپنے ذمہ عائد کئے گئے فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

عدلیہ اور انتظامیہ کا محور وہ قانون ہوتا جس کی رو سے قتل تک کے مقدمہ کا فیصلہ چند گھنٹوں میں ممکن ہوتا اور صورت حال یہ ہوتی کہ ادھر ایک یا چند اشخاص نے کسی کو قتل کیا دوسرے لمحے ان پر مقدمہ چلا شہادتیں ہوئیں جج نے محنت شاقہ برداشت کی مقدمے کے ہر پہلو پر غور کیا، فیصلہ صادر کیا اور جلاد نے بھرے مجمع میں قاتل کا سر تن سے جدا کر دیا۔ چور نے مال چرایا ثبوت بہم پہنچا پانچ یا دس ہزار کی جمعیت کے روبرو چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ زانی کو سزاوار قرار

دے کر ہزاروں افراد کے سامنے سنگسار کر دیا گیا ———

اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کی آنکھیں کس حقیقت کا مشاہدہ کرتیں ؛ اس کا جسے ہم آج اپنے گرد و پیش رقص کرتے ہوتے دیکھ رہے ہیں ——— یا ——— دیکھنے والے یہ دیکھتے کہ ایک واقعہ سنگساری اور ایک سزائے قطع ید اور ایک قصاص کے بعد مدتوں زنا چوری اور قتل کی کوئی واردات دیکھنے یا سننے میں نہ آتی ———

لہٰذا موجودہ صورت حال اور ناگفتہ بہ ماحول میں ہم یقین بھرے دل سے کہتے ہیں کہ آج ہم جس صورت حال میں گرفتار ہیں اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ

(الف) تمام مسلمان دینی قوتیں قومی اصلاح اور دینی فلاح پر کام کرنے والی تنظیمیں، علماء اور دانشور، ایمان و یقین کی دعوت اور اصلاح اخلاق کی جد و جہد کا آغاز از سر نو اس انداز سے کریں کہ فسق و معصیت کے بادل چھٹ جائیں قلوب علام الغیوب کی جانب مائل ہوں، اس سے ڈریں دنیا کی لذتوں کے بالمقابل آخرت کی نعمتوں اور دنیا کی تکالیف سے بچنے پر آخرت کے عذاب سے محفوظ رہنے کو فیصلہ کن ترجیح دینے لگیں۔

(ب) حکمرانوں اور حکام کا نقطہ نظر بدل دیا جاتے۔ مغربی افکار نے جو تصور، حکمرانی اور حکومت کے مناصب کا ہمیں دیا ہے اس سے دستکش ہو کر مناصب حکومت کو ذمہ داری، مسئولیت، خدمت خلق اور مملکت کی امانتوں سے عہدہ برآ ہونے کا ذریعہ سمجھیں اور یہ یقین کر لیں کہ ان کی نجات و فلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے ذمہ تفویض کردہ امور و معاملات کو بخشندۂ منصب خدائے ذوالجلال کی منشاء کے مطابق انجام نہیں دیں گے ———

سر دست یہ وہ بنیادی تبدیلیاں ہمارے نزدیک اصلاح کا نقطۂ آغاز ہیں اور جس تشویش انگیز صورت حال سے ہم دو چار ہیں اس سے نکلنے کا واحد ذریعہ بھی ——— مگر ہم حد درجہ تاسف اور رنج والم کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سب کچھ ہو رہا ہے اور سب کر رہے ہیں۔

مگر یہی کام جس موثر انداز میں ہونا چاہیئے تھا نہیں ہو رہا ——— حکمرانوں کے انداز، مقاصد، اہداف، طریقہ کار اور طرز سیاست بہر حال مایوس کن ہے مگر خیر کی تمام قوتیں، بہی خواہان قوم ملت اور علماء و مصلحین امت بھی اس کے سدباب کے لیے کسی موثر لائحہ عمل کے سوچنے اور مسلمانوں کو دینی فلاح اور اسلامی انقلاب اور منصب نبوت پر اعتماد کی راہ پر لانے کی نہیں سوچیں گے۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی

احقر نے یہ تحریر گذشتہ ماہ الحق کے لیے لکھی تھی مگر فائلوں میں گم ہوگئی اور تلاش کے باوجود نہ مل سکی تاہم میڈرڈ کانفرنس کے حوالے سے اب بھی اس کے مندرجات اور اخذ کردہ نتائج و ثمرات تازہ ہیں اس لیے تازہ شمارہ میں شریک اشاعت ہے۔ (حقانی)

امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل، عربوں پر اسرائیل کے تسلیم کرانے اور اس کے مزید تسلط و استعمار کی خاطر ۳۰، اکتوبر ۱۹۹۱ء کو منعقد ہونے والی سپین کے شہر میڈرڈ میں مشرق وسطیٰ امن کانفرنس کا ایک مرحلہ بڑے ابہام، کشیدگی اور غیر یقینی کے عالم میں ختم ہوگیا ——— اگر اس کانفرنس کے نتیجہ میں اہل فلسطین اور اسلامی ممالک کو اسرائیل ایک جائز ریاست تسلیم کرنے کے عوض ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مقبوضہ عرب علاقے جن میں یروشلم، دریائے اردن کا مشرقی علاقہ اور غزہ کی پٹی شامل ہیں واپس مل جاتے اور ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں رکاوٹ نہ ڈالی جاتی تو ہم سمجھتے کہ کچھ کھویا اور کچھ پایا کی بنیاد پر مسئلہ کا حل ایک بہتر تدبیر ثابت ہوا ہے اور امریکہ بہادر نے نیو ورلڈ آرڈر میں کچھ منصفانہ اقدامات کیے ہیں۔

مگر یہاں تو اسرائیل کا رویہ ہمیشہ کی طرح ضد، ہٹ دھرمی پر مبنی، بہت جارحانہ اور حد درجہ نامعقول رہا اسرائیلی وزیر اعظم کی تقریر غیر سنجیدہ اور حد درجہ اشتعال انگیز تھی پھر جس طرح وہ برہمی کے عالم میں دوسرے مرحلے کے آغاز کی تاریخ اور مقام کا تعین کیے بغیر مذاکرات کا بائیکاٹ کر کے اسرائیل واپس چلے گئے اس سے پوری دنیا کو یہودیوں اور مسلمانوں کے رویوں کے منصفانہ موازنے کا موقع ملا دنیا پر اب یہ واضح ہوگیا ہے کہ مشرق وسطیٰ امن کانفرنس میں امن کے قیام و استحکام اور کانفرنس کی کامیابی میں سب سے کم دلچسپی رکھنے والا فریق اسرائیل تھا امن کی کسی بھی ممکنہ پیش رفت کو تاراج اور امن کانفرنس کو ناکام بنانے کے لیے اس موقع پر اسرائیل نے لبنان میں موجود فلسطینیوں کے ٹھکانوں پر بمباری کا خصوصیت سے اہتمام کیا صرف یہ نہیں بلکہ کانفرنس کے ابتدائی دن میں غربی کنارے پر ایک یہودی بستی کا افتتاح بھی کرا دیا گیا ——— اصل جھگڑا اور مذاکرات کا موضوع اور قیام امن کے لیے قابل حل مسئلہ یہ تھا کہ فلسطینیوں سے فلسطین چھن گیا

جواب اسرائیل کے قبضے میں ہے اب فلسطینی کہاں جائیں ؟ انہیں اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے اپنا علاقہ چاہیئے مگر اسرائیلی وزیر اعظم شمیر نے اپنی تقریر میں زمین کے کسی تنازعے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا — اگر بالفرض اسرائیل کا موقف مان لیا جائے تو پھر مذاکرات، امن کانفرنس کا انعقاد اور مباحثہ کس بات پر تھا؟ شمیر کا مقصد یہ تھا کہ مذاکرات کا ماحصل یہ ہونا چاہیئے کہ اسرائیل کو تحفظ کیسے ملے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ اس کانفرنس میں اسرائیلی وزیر اعظم ہی کا بول بالا رہا۔ اور امریکہ نے اسی کے نقطۂ نظر کی مکمل حمایت کی عرب اخبارات نے جو رپورٹیں شائع کی ہیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اسرائیلی وزیر اعظم نے دنیا بھر سے آئے ہوئے نامہ نگاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہم اسرائیلی کس سرزمین سے واپس جائیں کسی مقبوضہ عرب علاقہ کا کوئی وجود نہیں، اقوام متحدہ کی قرارداد ۲۴۲ اسرائیل پر لازم نہیں قرار دیتا کہ وہ عرب علاقوں کو خالی کر دے، انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے اقوام متحدہ کی قرارداد پر عمل کرتے ہوئے سینائی کے ان نوے فیصدی علاقوں کا تخلیہ کر دیا تھا جن کو اسرائیل نے لے لیا تھا۔ شمیر نے لفظ مقبوضہ کے استعمال سے گریز کیا ———
دوسری بات یہ ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم نے بیت المقدس کے متعلق صاف لفظوں میں اس بات کا اعادہ کیا کہ میڈرڈ میں بیت المقدس کے قضیہ پر کوئی گفتگو نہ ہوگی۔ روسی وزیر خارجہ بورس پنکین نے بھی اسرائیلی بیان کی تائید کی تھی انہوں نے قاہرہ کے اخبار الاہرام کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس کے مسئلہ پر امن کانفرنس کے بعد گفتگو ہو سکتی ہے متعلقہ فریق اس سلسلہ میں پروگرام اتفاق رائے سے طے کر سکتے ہیں فی الحال بنیادی مسائل پر گفتگو کر لی جائے امریکی صدر بش نے بھی کہا کہ اس امن کانفرنس سے فوری نتائج کی توقع نہ رکھی جائے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ عربوں اور اسرائیل کو کیمپ ڈیوڈ کے طرز پر اس میز کے ارد گرد جمع کر دیا جائے۔

اس امن کانفرنس میں اسرائیل کے جو مطالبات سامنے آئے وہ نئے نہیں ہیں اس سے پہلے بھی وہ ان مطالبات کو پیش کر چکا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے عرب اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ وہ امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اسرائیل کا مطالبہ ہے کہ تمام عرب ممالک اسرائیل سے سیاسی و تجارتی اور ثقافتی تعلقات قائم کریں اس طرح خود بخود امن قائم ہو جائے گا۔

اسرائیل کی نگاہ میں چار شرائط کے بغیر مشرق وسطی میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

۱۔ عربوں کے اندر ابھی تک امن کی حقیقی خواہش نہیں پائی جاتی اور نہ ہی عرب میڈیا کا معاندانہ طرز بدلا ہے۔ یہی حال عرب دانشوروں کا ہے کہ ان کی گھٹی میں اسرائیل کی دشمنی رچ بس گئی ہے اس لیے عرب عوام اور قائدین کے اندر اسرائیل کے تئیں معاندانہ رویہ ختم ہونا چاہیئے۔

۲۔ تمام عرب حکومتیں برابر کی سطح پر اسرائیل کے ساتھ معاملہ کریں اور اس گفتگو کا حقیقی ارادہ ظاہر کریں۔

۳ - تمام عرب حکومتیں اپنے یہاں کی یہودی اقلیت کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دیں خصوصاً شام میں موجودہ یہودیوں کی حفاظت کی ضمانت فراہم کریں۔

۴ - تمام عرب ملکوں میں حقیقی جمہوریت نافذ کی جاتے اور عوام اسرائیل کے ساتھ قیام امن کے متعلق اپنی رائے دیں۔

اس کانفرنس کے بعد اسرائیلی ریڈیو نے اپنے ایک تبصرے میں کہا کہ اسرائیل جس مقصد کے لیے کوشاں تھا۔ وہ اس نے حاصل کر لیا ہے یعنی عرب حکومتوں کے ساتھ امن کی میز پہ وہ جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسرائیل کی نیت واضح ہے۔ بیت المقدس اور اسرائیلی بستیوں کا قیام ان مسائل پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

چنانچہ ایک اسرائیلی ذمہ دار ڈیوڈ لیوی نے انکشاف کیا ہے کہ متعدد نکات پر مشتمل امریکی ضمانت ہمیں حاصل ہے اور اسی ضمانت کی روشنی میں گفتگو کے آئندہ دور مکمل کیے جائیں گے انہوں نے مزید کہا کہ اسرائیلیوں کو اس امن گفتگو سے غیر معمولی پریشانی اور شکوک و شبہات تھے ان ہی شکوک کو دور کرنے کے لیے ہم ان نکات کا انکشاف کر رہے ہیں ان نکات کا خلاصہ اس طرح ہے۔

۱ - میڈرڈ کانفرنس کا بنیادی مقصد اسرائیل اور عرب پڑوسیوں کے درمیان سیاسی و تجارتی تعلقات کو قائم کرنا ہے۔

۲ - امن کانفرنس کے فیصلے کسی فریق پر تھوپے نہیں جائیں گے۔

۳ - براہ راست فریقوں کے درمیان یہ امن کانفرنس ہوگی۔

۴ - امریکہ اسرائیل اور اس کے متعلقہ فریقوں کے درمیان الگ الگ گفتگو کے نقطہ نظر کی تائید نہیں کرتا۔

۵ - جو فریق اس امن کانفرنس میں شریک نہ ہونا چاہے اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۶ - امریکہ اسرائیل کو فلسطینیوں کے ساتھ گفتگو پر مجبور نہیں کرے گا۔

۷ - امن کانفرنس میں وہی فلسطینی شریک ہوں گے جو مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں رہتے ہیں۔

۸ - امریکہ کسی آزاد فلسطینی حکومت کے قیام کی تائید نہیں کرتا ہے۔

۹ - اسرائیل کو پورا حق ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قرارداد ۲۴۲ اور ۳۳۸ کی تشریح جس طرح چاہے کرے۔

۱۰ - اسرائیل مشرق وسطیٰ میں امن کے لیے کام کرتا رہے گا۔

۱۱ - امریکہ اس بات کی بھرپور کوشش کرے گا کہ اسرائیل کے ساتھ اقتصادی بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔

۱۲ - امن کانفرنس کے دوران امریکہ اور اسرائیل کے درمیان مشورے ہوتے رہیں گے۔

۱۳ - امریکہ نے ۱۹۷۵ء میں اعلان کیا تھا کہ گولان کی اسٹراٹیجی حیثیت ہے وہ اس اعلان پر قائم ہے۔

۱۴ - اسرائیل کو یہ ضمانت امریکہ فراہم کرے گا کہ اسرائیل اور شام کے درمیان حدود برقرار رہیں گے۔ امریکہ اسرائیل کے امن کی ضمانت دیتا ہے۔

مذکورہ نکات کے بعد میڈرڈ کی اس کانفرنس کا بنیادی مقصد اسرائیل کو ہر قیمت پر امن فراہم کرنا ہے۔

تاہم کانفرنس میں یہودیوں کے بہیمانہ اور حد درجہ اشتعال انگیز رویہ کے بالمقابل عربوں نے بڑے صبر و ضبط اور استقامت سے جارحیت اشتعال انگیزی اور شمیر کی ہفوات کا مقابلہ کیا ہوشمندی، متانت اور دلچسپی کے ساتھ بہر صورت حصول امن کے لیے اپنی کوشش جاری رکھنے کا مثبت تاثر دیا۔

اس موقعہ پر امریکہ کا رویہ حسب سابق منافقت اور طرفداری کا رہا۔ اب اصل امتحان اسرائیل کا نہیں امریکہ کا ہے کہ وہ جب تک اپنا واضح اور دو ٹوک موقف طے نہیں کرے گا اس وقت تک اسرائیل کا مناسب رویہ بھی متعین نہیں ہوگا امریکی رویہ اور اس کی دوغلی پالیسی سے اب تک ہمیں یہ اعتماد حاصل نہیں کہ امریکہ واقعۃً بھی عرب اسرائیل تنازعے میں کوئی منصفانہ کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہوگا۔

چونکہ امریکی پالیسی جانبدارانہ اور اس کا رویہ مشکوک ہے اور اس کا منصفانہ کردار غیر متوقع ہے، اس لیے اسرائیل کا رویہ بھی جارحانہ اور ناسازگار رہا۔

اندرون خانہ امریکہ نے اسرائیل کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ عربوں سے چاہے بدسلوکی کرتا رہے کتنی جارحیت اور انسان سوز حرکات کرتا رہے اسے حمایت اور امریکی شہ حاصل رہے گی امریکی سرپرستی کا ہاتھ اس کی پشت پر رہے گا۔

بہرحال اگر امریکہ واقعۃً امن کے قیام میں مخلص اور مشرق وسطیٰ میں امریکی استعمار کے خلاف مزاحمت کو کم کرانے کا خواہشمند ہے تو اسے اسرائیل کو لگام دینی ہوگی اور اسے حقیقت پسندانہ اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

مسئلہ رزق اور اسلام

احقر نے ۱۹۴۹ء میں انٹرنیشنل اسلامک اکنامک کانفرنس منعقدہ کراچی کے لیے ایک مقالہ عنوان بالا سے لکھا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ چونکہ یہ مسئلہ دن بدن الجھ رہا ہے حتیٰ کہ بعض اسلامی ممالک بھی اس کا حل تلاش کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور عقل کے مدعی بجائے اس کے کہ اشرف المخلوقات کے امن وعافیت کے لیے قرآن وسنت اور سیرت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو راہنما بناتے انہوں نے اشرف المخلوقات کو کم سے کم تر کرنے ہی کو افلاس اور املاق کا توڑ سمجھا جسے منصوبہ بندی، تحدید نسل وغیرہ ناموں سے مزین کر کے اربوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اسی ضرورت کے لیے بھوک اور اسلام کے عنوان سے مزید اضافہ کے ساتھ ایک مستقل کتاب جو عنقریب زیور طباعت سے مزین ہو کر شائع ہو جائے گی انشاء اللہ فی الحال اس کے ایک باب کا خلاصہ الحق کی وساطت سے ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالیٰ نافع بنائے۔ (محمد زاہد الحسینی غفرلہٗ)

قرآن عزیز نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لانے کا حکم دیا کہ ساری کائنات کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اسباب اور ذرائع سب اسی کے حکم کے تابع ہیں اس کے حکم کے بغیر کوئی سبب نافع اور موثر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن عزیز نے اللہ تعالیٰ کا اسم رب تقریباً تین سو بار ارشاد فرمایا اتنا کوئی اسم صفت ارشاد نہیں فرمایا بلکہ عالم الست میں ارواح سے جو پوچھا گیا اس میں بھی الست بربکم کا اظہار فرمایا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی میں بھی اقراء باسم ربك الذی خلق ارشاد فرمایا، ظاہر ہے کہ تربیت تو خلق کے بعد ہوتی ہے مگر یہ باور کرانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے اسم ربّ کو مقدم فرمایا۔ رب الناس، رب العلمین اور رب کل شیئ کا ارشاد قرآن عزیز میں موجود ہے ام العبادات (نماز) کے تمام ارکان اور ان کے انتقالات میں رب کا کئی بار اظہار اور اعلان کیا جاتا ہے۔ نماز الحمد للہ رب العلمین سے شروع ہو کر اللھم ربنا اتنا فی الدنیا پر اختتام پذیر ہوتی ہے تمام فرعونوں نے اپنے آپ کو رب کہا اس کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کو رب پیش فرما کر ان کی باطلہ ربوبیت کو پاش پاش فرمایا۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق جب

کوئی سعادت مند اس دنیا سے جاتا ہے تو اس کو یوں خوش آمدید کہا جاتا ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ اس آیت میں بھی رب ہی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح اسلامی عقیدہ کے مطابق قبر (برزخ) میں چند سوالات ہوتے ہیں ان میں سے پہلا سوال من ربك ہے۔ قبروں سے نکلنے کی کیفیت کو بھی یوں ارشاد فرمایا من الاجداث الی ربھم ینسلون غرضیکہ قرآن عزیز نے اللہ تعالے کو رب ماننے کا حکم ارشاد فرمایا اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ

(۱) مسلمانوں کا اعتماد اللہ تعالے کی ذات پر رہے اور وہ ذرائع اور اسباب ہوتے ہوتے بھی اللہ تعالے ہی کو رب ماننے رزق کی تلاش میں اپنے خالق اور مالک سے باغی نہ ہوجاتے اور یہ سمجھے کہ اسی کی اطاعت اور عبادت سے رزق بھی مل جائے گا قریش مکہ کو جو تاجر تھے یہ ارشاد فرمایا۔ فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع وامنھم من خوف۔

(۲) جب رب اللہ تعالے کو مانا جائے گا تو لازمی طور پر جس کے پاس جو کچھ بھی ہو گا وہ اس کا حقیقی مالک اللہ تعالے کو سمجھے گا اور اس چیز کو اس معنیٰ میں اپنی حقیقی ملک نہ سمجھے گا کہ جو چاہے تصرف کرے اسے اختیار رہے بلکہ اسے یقین ہو جائے گا کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے میں اس میں نائب اور خلیفہ ہوں کسی نائب کو یہ حق نہیں کہ وہ مدعی کی مرضی کے بغیر اس چیز میں تصرف کرے ارشاد فرمایا۔

اٰمنوا باللہ ورسولہ ، وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین اٰمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر۔ (الحدید، ۷)	اللہ تعالے اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ہر اس چیز سے خرچ کرو جس میں تمہیں خلیفہ بنایا گیا ہے پس جو تم میں سے مان لیں گے اور خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

یہی حکمت ہے کہ اسراف اور تبذیر سے منع فرمایا گیا کہ مسرف اور مبذر اپنی نجابت کی حدود سے قدم آگے بڑھا لیتا ہے۔

(۳) جب اللہ تعالے کو رب مان لیا جائے گا تو اب اس کی مخلوقات پر رحم و کرم کی نظر کرے گا اور اس کی تربیت کو ضروری سمجھے گا کیونکہ مخلوق تو اللہ تعالے نے پیدا فرمائی ہے۔ مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے

یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا　　کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

مولانا حالی نے اس شعر میں رب العالمین کی تشریح بیان فرمائی ہے مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی مزید وضاحت اور توثیق ہو جائے گی۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

"قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ایک آدمی سے فرمائے گا۔ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی اور میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا، بندہ عرض کرے گا یا اللہ تو رب العلمین ہے۔ بیماری اور بھوک کا کیسے گزر ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ فرمادیں گے میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں پاتا اسی طرح بھوک کے بارہ میں ارشاد فرمادیں گے"*

یہ ایک طویل حدیث کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ساری مخلوق اللہ تعالےٰ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ تعالےٰ کو اس بندہ سے زیادہ محبت ہوتی ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے" (ترجمہ حدیث)

اگرچہ حسن سلوک کا دائرہ بڑا ہی وسیع ہے مگر چند بنیادی ضروریات مہیا کرنا بہت ہی اہم ہے۔ جس کی تعبیر ہم خوراک۔ لباس اور رہائش سے کر سکتے ہیں۔ اسلام میں ہر انسان کا یہ حق قرار دیا گیا ہے کہ استطاعت والے لوگ اور برسر اقتدار طبقہ ہر انسان کے لیے ان ضروریات کو مہیا کرے ورنہ وہ سب کے سب گناہ گار ہونگے اور ان سے باز پرس ہوگی۔ ان ضروریات پر اسلامی تعلیمات پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ

"قرآن عزیز اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون بہت کم بنائے ہیں کیونکہ قانون اور قانون ساز اداروں کی گرفت صرف اس دنیاوی زندگی تک محدود ہے بلکہ قرآن عزیز اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب اور عذاب کا تصور بطور عقیدہ کے بہت زیادہ امت کو سمجھایا ہے جس کے تصور سے بڑے بڑے طاقتور لرز جاتے تھے"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت راشدہ عادلہ میں ایک دن تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی مسلمان نے آکر یہ کہا۔

اے بھلائی کرنے والے عمر میری بچیاں ننگی ہیں۔

آپ نے فرمایا —— تو میں کیا کروں۔

اس نے کہا —— تیرا فریضہ ہے کہ تو ان کو لباس عطا کر۔

آپ نے فرمایا —— اگر میں نے لباس نہ دیا تو کیا ہوگا۔

اس نے کہا —— میں واپس چلا جاؤں گا۔

آپ نے فرمایا —— پھر کیا ہوگا۔

اس نے کہا —— قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے سامنے فریاد کروں گا اور تجھے پیش ہونا ہوگا۔

ان کو بھی بھوکا رکھنا گناہ قرار دیا گیا ہے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم برزخ کا اپنا مشاہدہ ارشاد فرمایا کہ ایک عورت پر ایک بلی مسلط کی گئی جو اس کے چہرے کو نوچتی ہے پھر چھوڑ دیتی ہے جب وہ پہلی حالت پہ آجاتی ہے تو پھر نوچتی ہے اس کی وجہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتائی گئی کہ اس عورت نے اس بلی کو باندھ رکھا تھا اور یہ بھوک سے ہلاک ہو گئی تھی یہ بلی اس پر قیامت تک مسلط رہے گی۔"

اور آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ :-

"ایک بدکارہ عورت کی مغفرت اس لیے ہو گئی تھی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا"

خود رحمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ ایک پیاسی بلی آئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تڑپ کو محسوس فرماتے ہوتے پانی کا برتن ٹھہرا دیا اور اس بلی نے پیاس بجھا لی۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک مسافر کے پاس اس قدر پانی ہے کہ اگر وہ نماز کے لیے وضو کرے تو اس کا محافظ کتا پیاسا مر جائے گا تو اسے چاہیئے کہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پانی کتے کے لیے چھوڑ دے۔

خوراک کے متعلق اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

محتاجوں کی خوراک کا بندوبست کرنا دین ہے جبکہ اس طرف توجہ نہ کرنی بے دینی ہے جیسا کہ قرآن عزیز کا ارشاد گرامی ہے۔ نیک اور دیندار مسلمان۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر: ۸)

اور ان کی یہ عادت ایک دو دن کی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے اموال میں ایک حصہ اسی غرض کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ فرمایا :-

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذٰریٰت : ۱۹)

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل المحروم (المعارج : ۲۴، ۲۵)

مگر بے دینوں کا طرز عمل :-

ارءیت الذی یکذب بالدین ۰ فذالك الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین (الماعون : ۱-۳)

یعنی ادھر تو دینداری کا دعویٰ ہے مگر اُدھر یہ حال ہے کہ خود بھی یتامیٰ کو دھکے دیتا ہے اور دوسروں کو بھی مساکین کی خوراک کی طرف توجہ نہیں دلاتا اسی طرح ارشاد فرمایا :-

کلا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحاضون علی طعام المسکین (الفجر: ۱۷-۱۸)

آپ نے فرمایا ـــــ پھر کیا ہوگا۔

اس نے کہا ـــــ اِمَّا اِلَی النَّار وَاِمَّا اِلَی الْجَنَّةَ (ترجمہ) "یا تو دوزخ میں چلا جائے گا یا جنت میں"۔

یہ جواب سن کر آپ رو پڑے اور اسی وقت اپنا کرتہ اتار کر دے دیا کہ فی الحال اسے کاٹ کر ان کے کپڑے بنا دو اور پھر بیت المال سے آکر کپڑا لے لو۔

بلکہ بعض دفعہ آئینی طور پر ایک فیصلہ درست سمجھا گیا مگر جب قیامت کا تصور پیش کیا گیا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے نے اپنی غلطی کا برملا اعتراف کر کے صحیح فیصلہ نافذ کرایا جیسا کہ:

"سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کندہ کے ایک مسلمان نے اور حضرموت کے ایک مسلمان نے یمن کے علاقہ میں ایک قطعہ زمین پر دعویٰ کیا حضرمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری زمین ہے اس کے والد نے اس پر جبراً قبضہ کر لیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے گواہ طلب کئے تو اس نے عرض کیا میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں البتہ اگر یہ قسم کھالے تو میں دعویٰ چھوڑ دوں گا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کندی کو فرمایا تو وہ قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" یاد رکھو جو آدمی کسی کا مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا تو اس کے اعضاء کٹے ہوتے ہوں گے"۔

یہ بات سن کر اس کندی نے کہا حضور! واقعی یہ زمین اسی کی ہے میرا دعویٰ غلط ہے۔ (مشکوٰۃ)

اگر وہ قسم کھا جاتا تو قانونی طور پر وہ زمین حاصل کر لیتا مگر جب اسے قیامت کا منظر دکھایا گیا تو اس نے برملا اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ غرضیکہ اسلامی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ہوتے ہیں۔

انسانی ضروریات اور اسلامی تعلیمات

انسانی ضروریات کا خلاصہ خوراک، لباس، مکان میں منحصر ہے اسلام نے ان تینوں کا ایسا اہتمام فرمایا کہ کوئی بھی انسان ان ضروریات سے محروم نہیں رہ سکتا چنانچہ:

خوراک کے بارہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ:

"کوئی بھی مخلوق بھوکی نہ رہے قرآن عزیز میں متاعا لکم ولانعامکم کو یکجا بیان فرما کر توجہ دلائی کہ کائنات میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے یہ تمہاری اور تمہارے چار پایوں کی ضروریات ہیں چارپایوں میں تو انسانوں کے لیے فوائد اور منافع ہیں ایسی مخلوق جسے حرام اور نجس قرار دیا گیا

یعنی تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم خود بھی یتامیٰ کا احترام نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی مساکین (جن میں بھی شامل ہیں) کی خوراک کی طرف توجہ نہیں دلاتے۔ دوزخیوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا جائے گا۔

انہ کان لا یومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا دوزخ سے نجات مساکین کو کھانا کھلانے سے مل سکتی ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۵۰)

حالانکہ پریشان حال کو کھانا کھلانا اس کی خوراک کا انتظام کرنا گویا غلام کو آزاد کرنا ہے اور قیامت کے دن نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملنے کی یک گونہ کفالت ہے ارشاد ہے:۔

فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین آمنوا وتوصوا بالصبر وتواصوا بالرحمۃ اولئک اصحب المیمنۃ (البلد: ۱۳ - ۱۸)

شریعت اسلامیہ نے بعض احکام میں مساکین کو کھانا کھلانا غلام کو آزاد کرنے کے برابر قرار دیا ہے جیسا کہ:۔

فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اہلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ (المائدہ: ۸۹)

فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا (المجادلہ: ۴)

پہلی آیت میں قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس دینا یا غلام آزاد کرنا۔

دوسری آیت میں ظہار کا کفارہ ارشاد فرمایا:۔

غلام آزاد کرنا، دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر تاکید خوراک کی باہم رسانی کے بارہ میں فرمائی ہے اتنی شاید ہی کسی دوسری عملی تجویز کے بارہ میں ارشاد فرمائی ہو اختصار کے طور پر ایک ارشاد اور ایک دو واقعات ہدیہ ناظرین ہیں۔

"ارشاد فرمایا وہ آدمی مومن نہیں جس نے خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہے"۔

ف۔ اس ارشاد گرامی میں جار کا کلمہ ارشاد فرمایا۔ قرآن عزیز نے پڑوسی کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

الجار ذی القربیٰ وہ پڑوسی جو رشتہ دار بھی ہے جیسا کہ بہن، بھائی وغیرھما۔

الجار الجنب وہ پڑوسی جو اجنبی ہے یعنی رشتہ دار نہیں مفسرین قرآن عزیز نے اس سے مراد غیر مسلم پڑوسی بھی لیا ہے بلکہ قرآن عزیز کے ایک ارشاد سے بطور اشارۃ النص کے ایک محلے، ایک گاؤں کا رہنے والا بھی مراد لیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی جزء ۵ ص ۱۸۳ - ۱۸۵)

الصاحب بالجنب سے مراد عارضی پڑوسی بھی لیا گیا ہے جیسا کہ ریل، ہوائی جہاز، موٹر کا ہم سفر۔
سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام اور خوراک کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ :۔
جن نومسلموں کے ساتھ معاہدات کئے ہیں ان میں یہ بھی شرط رکھی ہے کہ جو مسلمان ان کے ہاں سے گزرے اس کی تین دن تک مہمان نوازی کرے اور مسافر ان کے باغوں سے اتنا پھل کھا سکتا ہے جس سے اس کا پیٹ بھر جائے جیسا کہ قبیلہ بارق کو امان دیتے ہوئے یہ تحریر فرمایا۔

مَنْ مَرَّ بهم من المسلمين في عرك اوجدب فله ضيافة ثلاثة ايام. فاذا اينعت ثمارهم فلابن السبيل اللقاط يوسع بطنه من غيران يقسم

(الوثائق السياسية ص۱۲۴ ـــ وفود القبائل ص۲۳۳)

انسان کی دوسری ضرورت لباس ہے۔ ناداروں اور بےکسوں کے لیے لباس کا مہیا کرنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے قرآن عزیز نے قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو لباس دینا بھی قرار دیا ہے اور اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر قرار دیا ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو آدمی کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے گا وہ اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی باقی رہے گا۔" (ترمذی و حاکم)

"سب اعمال میں سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ کسی مسلمان کا غم دور کر دیا جائے تو اس کو لباس پہنائے۔ اس کی بھوک دور کرے یا اس کی کسی ضرورت کو پورا کر دے۔" (طبرانی)

طعام اور لباس کے بارہ میں اختصار کے لحاظ سے ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے کہ :۔

"سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ مُضر کے لوگ حاضر ہوئے جن کے بدن پر کپڑے نہ ہونے کے برابر تھے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور لباس کی حالت کو ملاحظہ فرمایا جس سے چہرہ انور پر پریشانی کی علامات نمودار ہوئیں آپ نے نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں قرآن عزیز کی دو آیات تلاوت فرمائیں پہلی آیت میں مسلمانوں کو بھلائی اور خیر خواہی کا خطاب ہے اور دوسری میں انسانیت کے نام پر خیر خواہی اور بھلائی کا ذکر ہے چنانچہ صحابہ کرام نے غلہ، نقدی اور لباس کے ڈھیر لگا دیتے اسے دیکھ کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چمک اٹھا۔"
(مشکوٰۃ)

انسان کی تیسری ضرورت مکان ہے۔ قرآن عزیز میں کسی کو گھر سے نکالنا اس کا گھر چھیننا معیوب قرار دیا گیا ہے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو انصار مدینہ کے ایک قبیلہ بنو عبد بن زہرہ کے محلہ میں مکان کے لیے ایک قطعہ عنایت فرمایا۔ اس پر اس قبیلہ کے لوگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کو کسی دوسری جگہ آباد کر دیا جائے تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَلِمَ انبعثني الله اذًا اِنَّ الله لا یقدس امةً لا یواخذ للضعیف فیهم حقه۔ (مشکوٰۃ)

پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے کیوں مبعوث فرمایا؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اس امت کو عزت نہیں دیتا جس میں کمزور کو اس کا حق نہ دلایا جائے۔

یعنی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کی حکمت ہی یہ فرمائی کہ ناتوانوں اور کمزوروں کو ان کے حقوق دلائے جائیں اور یہی سیرت مقدسہ اعطاء رسالت سے پہلے آپ کی تھی کا شانہ نبوت خاتمہ اور رسالت کاملہ کی شمع پر نور حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ سے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ فرمائے گا اس لیے کہ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے، راست گو، دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے، ناداروں کے لیے اہتمام کرنے والے، مہمانوں کی مہمانی کرنے والے اور آسمانی آفات کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرنے والے ہیں" (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس مختصر مگر جامع مضمون کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے آپ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ پریشان حال لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور ان کے لیے پرسکون زندگی کا سامان مہیا کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہوں گے" (طبرانی)

ان شاء اللہ اسی مضمون کی دوسری قسط بعنوان "اسلامی حکومت کے فرائض" پیش کی جائے گی۔

دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات بھر مکمّل آرام کے لیے

سنکارا

دِن بھر کی مصروفیات کے بعد انسان کو مکمّل آرام اور بھرپُور نیند کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ
جسم وجان کو سکون ملے، اعصابی اور ذہنی تکان ختم ہو اور اگلے دن کی جد وجہد کے لیے توانائی حاصل ہو سکے۔

سنکارا کا مستقل استعمال توانائی کے توازن کو فطری طور پر برقرار رکھتا ہے۔
اِس کے مجرّب و منتخب اجزا سے دماغ کی خشکی اور بے خوابی کی شکایت بھی دُور ہوتی ہے اور پُرسکون نیند بھی آتی ہے۔

سنکارا مجرّب جڑی بُوٹیوں اور منتخب معدنی اجزا سے تیار کیا جاتا ہے۔
یہ ایک نہایت موثر نباتی و معدنی مرکّب ہے جو تیزی سے توانائی بحال کرتا ہے اور صحت برقرار رکھتا ہے۔

Adarts-CIN-3/91

ارضِ مقدس کا سفر سعودیہ سے کیجئے
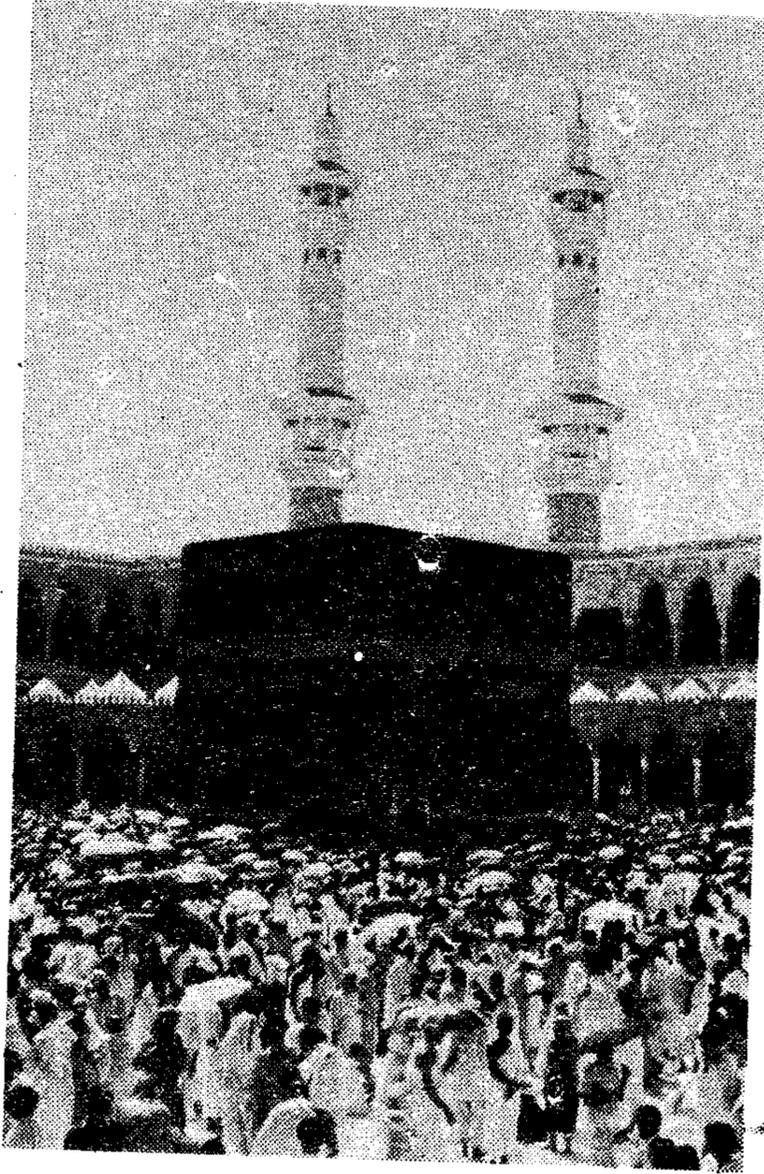
عمرے کی ادائیگی ہر مسلمان کی دلی آرزو ہے۔ مقاماتِ مقدسہ کے خوشگوار سفر کے لئے **سعودیه** سے بہتر کوئی نہیں۔

سعودیه آپ کے لئے مثالی عمرہ فلائٹ کا اہتمام کرتا ہے۔ سفر پر روانگی سے پہلے کی خصوصی دُعا سے لے کر میقات الاحرام کے اعلان تک۔

اس اہم ترین سفر کے لئے اہم ترین فیصلہ کیجئے۔ **سعودیه** سے پرواز کیجئے۔

مزید تفصیلات اور نشست محفوظ کرانے کیلئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا **سعودیه** کے ریزرویشن دفاتر سے رجوع کیجئے۔

السعودية

سعودی عرب ائیرلائنز

أهلاً وسهلاً

7. 2.91

ORIENT

حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ
مجلس علمی کراچی

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

زیر نظر مضمون میں میرا اصل مقصد' جس خاص مسئلہ کی شرعی حیثیت سے بحث و تحقیق کرنا ہے وہ مسئلہ ہے دھار پر کوئی چیز اس قیمت سے زائد قیمت پر فروخت کرنا جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورت نقد رائج ہو مثلاً یک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورت نقد ایک سو روپے ہے اس کو مثلاً ایک سال کے ادھار پر یک سو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور خریدنا۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے یعنی اس میں جس معاشی معاملے ا ذکر ہے قرآن و حدیث کی رو سے یہ جائز معاملہ ہے یا ناجائز معاملہ ؛ اس بحث و تحقیق میں اس کا تعین کرنا اصل مقصود ہے اور یہ اس لیے کہ متعدد اشخاص نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور یہ ایک زندہ مسئلہ ہونے کے ساتھ اپنے اثرات معروضی نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے۔

بحث کے شروع میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت میں کسی مسئلہ و معاملہ کے متعلق شرعی حکم صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی یا اجمالی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو کیونکہ شریعت اسلامی کا حقیقی ماخذ و سرچشمہ صرف قرآن و حدیث ہیں لہذا اصلاً اس بحث کا دائرہ انہی تک محدود رہے گا، تعامل صحابہ کرام دراصل کتاب و سنت پر مبنی ہے لہٰذا کسی مسئلہ اور معاملہ کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے اس کو دیکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی ضروری ہے، محدثین کرام کے ہاں حدیث کا جو وسیع مفہوم ہے اس میں آثار صحابہؓ بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ کسی اور معاملہ کے شرعی جواز و عدم جواز کے متعلق صرف اتنا کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اس نص اور دلیل کا ذکر بھی ضروری ہے جس کی بنا پر اس فقیہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے اور یہ اس لیے بھی کہ وفاقی شرعی عدالت کے جج حضرات کسی فقیہ کے قول کو صرف اس وقت مانتے ہیں جب اس کے ساتھ قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو کیونکہ دستور مملکت پاکستان کے اندر صرف قرآن و حدیث کو اسلامی احکام کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے

کا تعلق ہے قرآن وحدیث کی رو سے قطعی طور پر جائز ہے اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض دفعہ ادائیگی کے وقت آپ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی قرآن وحدیث میں قرض حسنہ کے متعلق جو تعلیم ہے اس سے بھی صریح طور پر اس ادھار کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر کوئی اضافہ نہ ہو، کسی ضرورت مند کو ادھار پر اس کی ضرورت کی چیز اسی قیمت پر دینا جو نقد کی صورت میں ہو قرضہ حسنہ کی تعریف میں آتا ہے جو بڑے اجر وثواب کا ایک عمل ہے بعض احادیث میں اس کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے جو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب ومستحسن عمل ہے۔

اسی طرح بیع مرابحہ کی بھی وہ شکل قطعی طور پر جائز ہے جس میں فروخت کی جانے والی شے کی اصل قیمت بھی صحیح تبلائی گئی اور اس پر نفع کی مقدار بھی صرف اتنی لگائی گئی ہو جو تاجروں کے ہاں اور بازار کے عام رواج کے مطابق ہو یا اس سے بھی کم ہو، مثلاً اگر بازار میں عام طور پر نفع کی مقدار دس فیصد رائج ہو اور مرابحہ میں فروخت کرنے والا فروخت کی جانے والی شے کی اصل قیمت پر زیادہ سے زیادہ دس فیصد نفع لگائے مثلاً جو شے اس کو سو روپے میں پڑی ہے اس پر نفع دس روپے یا اس سے کم لگا کر بیع مرابحہ کے طور پر فروخت کرے تو اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ، بالفاظ دیگر بازار میں عام نرخ کے مطابق ایک چیز کی قیمت ایک سو روپے تھی اور مرابحت کی شکل میں بھی وہ ایک سو روپے میں ہی فروخت کی گئی یا مثلاً رعایت کے ساتھ ایک سو پانچ میں فروخت کی گئی تو بیع مرابحہ کی یہ صورت بالکل جائز ہوتی ہے اور شرعی طور پر یہ معاملہ قطعاً درست ہوتا ہے کیونکہ اس میں فریقین معاملہ کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے، اور یہ اس وجہ سے موجود ہوتی ہے کہ اس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا اس کی مرضی کے مطابق معاوضہ پایا جاتا ہے جو قلبی رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہے، بخلاف مرابحت کی ایسی شکل کے کہ جس میں فروخت کرنے والا خریدار کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز بازار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نفع پر فروخت کرتا ہے مثلاً یہ دیکھتے ہوئے کہ خریدار نقد ادائیگی نہیں کر سکتا کچھ عرصہ کے ادھار پر لینا چاہتا ہے لہذا ادھار کی وجہ سے نفع دس فیصد کی بجائے بیس یا تیس فیصد لگا دیتا ہے اس صورت میں خریدار کی اگرچہ ظاہری طور پر رضامندی موجود ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتی کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو چیز وہ ادھار کی وجہ سے مثلاً ڈیڑھ سو روپے میں خرید رہا ہے وہ بازار میں بصورت نقد سو روپے میں ملتی ہے اور یہ کہ فروخت کرنے والا دوسرا فریق اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس روپے کا اضافہ کر رہا ہے چنانچہ وہ ضرورت کے تحت لے تو لیتا ہے لیکن دل سے خوش نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے لیے پچاس روپے کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا مرابحہ کی یہ شکل بلحاظ حقیقت درست نہیں ہوتی بلکہ باطل معاملہ کی تعریف میں آتی ہے اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

اب میں اپنے اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ ادھار کی صورت میں کوئی چیز نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا شرعاً کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟ جہاں تک جواز کا تعلق ہے انتہائی تلاش وجستجو کے باوجود مجھے قرآن حکیم، احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے معاملہ مذکور کا جواز نکلتا اور ثابت ہوتا ہو، البتہ عدم جواز کے متعلق قرآن، حدیث اور آثار صحابہ میں واضح اور قطعی دلائل ملتے ہیں، تحریم ربوٰ سے متعلق جو آیات، احادیث اور آثار ہیں ان سے معاملہ زیر بحث کا قطعی طور پر ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ قرآن حکیم نے عہد جاہلیت کی جس متعارف ربوٰ کو قطعی طور پر حرام وممنوع قرار دیا ہے اس کی چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی تھی کہ ایک شخص دوسرے پر کوئی چیز ادھار بیچتا تو مدت قرض کے لحاظ سے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں ایک سو درہم ہوتی ایک سال کے ادھار پر ڈیڑھ سو درہم میں بیچتا پھر جب ایک سال کے بعد بھی مقروض ڈیڑھ سو درہم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ اس سے کہتا میں مدت قرض میں مزید اتنا اضافہ کر دیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو جس پر رقم قرض کی مقدار مزید ایک سال کے لیے دو سو درہم کر دی جاتی پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گنا ہو جاتی یعنی اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً بن جاتی، یہی حال نقد کے قرض میں بھی ہوتا ہے ایک آدمی دوسرے کو مثلاً سو درہم ایک سال کے لیے قرض دیتا تو اس مدت کے لحاظ سے اس میں اضافہ کر دیا جاتا جو درمیان میں ہر ماہ یا سال کے بعد یکمشت اصل کے ساتھ واجب الادا ہوتا جیسا کہ موجودہ بینکاری نظام میں ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن حکیم نے ربوٰ النسیئہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربوٰ کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے:۔

(۱) عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال کان الربٰو الذی اذن اللہ فیه بالحرب لمن لم یترکه عند الجاهلیة یکون للرجل علیٰ رجل حق الیٰ اجل فاذا احل الاجل قال صاحب الحق أتقضی ام تربی، فان قضاه اخذ منه والا طواه۔

(جامع الاصول ج ۱ صـ۵۷۳)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا وہ ربوٰ جس کو ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا عہد جاہلیت میں اس کی شکل اس طرح تھی کہ آدمی کا دوسرے پر ایک خاص مدت تک کے حق یعنی دین و قرض ہوتا پس جب مقررہ وقت آتا تو صاحب حق یعنی قرض خواہ اپنے مقروض سے کہتا ادا کرتے ہو یا مزید مہلت کے عوض مال قرض میں اضافہ کرتے ہو اگر وہ ادا کرتا تو لے کر معاملہ ختم کر دیتا ورنہ اس کو تہہ در تہہ بڑھاتا چلا جاتا۔

(۲) عن مجاهد انه قال فی ربٰو الذی

حضرت مجاہدؒ نے فرمایا وہ ربوٰ جس سے اللہ تعالیٰ نے

نهی الله عنه كان في الجاهلية يكون للرجل على الرجل دين، فيقول لك كذا وكذا وتؤخر عني فيؤخر عنه۔
(تفسير الطبری ج ۳ ص۶۷)

منع فرمایا عہد جاہلیت میں اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آدمی کا دوسرے آدمی پر واجب الادا دین و قرض ہوتا جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو مقروض آدمی اپنے قرض خواہ سے کہتا مہلت بڑھادو اور مطالبہ موخر کر دو اس کے بدلے آپ کے لیے اتنا اتنا مزید ہوگا چنانچہ وہ مطالبہ موخر کرکے مہلت بڑھا دیتا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

(۳) عن سعيد بن جبير قال ان الرجل كان يكون له على الرجل المال فاذا حل الاجل طلبه من صاحبه فيقول المطلوب أخر عني وازيدك في مالك فيفعلان ذلك۔
(تفسير الدر المنثور ج ۲ ص۱۰۷)

حضرت سعید بن جبیر نے ربوٰ جاہلی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر بطور قرض مال ہوتا پھر جب قرض کی مقررہ مدت پوری ہوتی تو قرض والا اپنے مقروض سے اپنا مال طلب کرتا پھر اگر مقروض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو مقروض سے کہتا مجھے مزید مہلت دیجئے میں اس کے عوض آپ کے مال میں آپ کے لیے اضافہ کر دیتا ہوں چنانچہ وہ آپس میں ایسا کر لیتے اور یہ سلسلہ جاری رہتا۔

(۴) عن قتاده قال ان ربو الجاهلية يبيع الرجل المبيع الى اجل مسمى فاذا حل الاجل ولم يكن عند صاحبه قضاء زاده واخر عنه۔
(تفسير الطبری ج ۳ ص۶۷)

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ربوٰ جاہلی کی ایک شکل یہ تھی کہ ایک آدمی اپنی کوئی چیز ایک خاص وقت تک کے لیے قرض پر بیچتا پھر جب وہ خاص وقت آتا اور اس کے مقروض کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ ہوتا تو مال بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔

(۵) عن عطاء ابن ابی رباح قال كانت ثقيف تدائن في بني المغيرة في الجاهلية فاذا حل الاجل قالوا نزيدكم وتوخرون۔
(تفسير الدر المنثور ج ۲ ص۵۹)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا عہد جاہلیت میں بنو ثقیف، بنو المغیرہ کو قرض دیا کرتے تھے۔ جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو بنی المغیرہ، بنو ثقیف سے کہتے ہم تمہارا مال زیادہ کر دیتے آپ ہمیں مزید مہلت دے دیجئے۔

ان مذکورہ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ربوٰ الجاہلی جس کا دوسرا نام ربوا النسیۃ ہے قرض کا ایسا معاملہ

تھا جس میں مہلت اور مدت قرض کے عوض مال قرض میں اضافہ کیا جاتا تھا خواہ وہ قرض نقد کی صورت میں ہو یا کسی فروخت کردہ چیز کی قیمت کی صورت میں، اور یہ کہ اس کو قرآن حکیم نے حرام و ممنوع ٹھہرا کر اس خیال کی نفی اور تردید کردی کہ قرض دینے والا مہلت قرض کے عوض مقروض سے قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد مال لے سکتا ہے۔

مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ یہاں اکابر مفسرین کرام کی کچھ عبارات پیش کردوں جو انہوں نے ربائے جاہلی کی تفسیر میں فرمائی ہیں تاکہ حقیقت حال اچھی طرح واضح ہو جائے۔

امام ابوبکر الجصاص نے اپنی جلیل القدر فقہی تفسیر احکام القرآن میں ربٰو کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:۔

والربٰو الذی کانت العرب تعرفه وتفعله انما کان قرض الدراهم والدنانیر الی اجل بزیادة علی مقدار ما استقرضه علی ما یتراضون به، هذا کان المتعارف المشهور عندهم۔	وہ ربٰو جس کو اہل عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم و دنانیر کے قرض کا معاملہ تھا جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی ضرور لینا دینا ہوگا ربٰو کا یہی معاملہ عربوں کے ہاں متعارف اور مشہور تھا۔
(ج ۱ ص ۵۵۲)	

اس سے کچھ آگے ایک اور عبارت اس طرح ہے۔

ولم یکن تعاملهم بالربٰو الا علی الوجه الذی ذکرنا من قرض دراهم ودنانیر الی اجل مع شرط الزیادة۔	عربوں کے اندر جس ربٰو پر عمل درآمد تھا اس کی وہی شکل تھی جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا یعنی ایک خاص مدت تک دراہم و دنانیر کا قرض جس کے ساتھ زیادتی کی شرط تھی۔
(بحوالۂ مذکور)	

پھر دو صفحات کے بعد ایک تیسری عبارت احکام القرآن میں بایں طور ہے۔

انه معلوم ان الربٰو الجاهلیة انما کان قرضاً موجلاً بزیادة مشروطة فکانت الزیادة بدلاً من الاجل، فابطله الله وحرّمه وقال وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون	یہ ایک معلوم اور جانی ہوئی بات ہے کہ عہد جاہلیت کی ربٰو سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ زیادتی کی شرط کے ساتھ میعادی قرض کا معاملہ تھا اور اس میں قرض کے اصل مال پر جو زیادتی ہوتی تھی وہ مدت اور مہلت قرض کا بدل سمجھی جاتی تھی پس اس کو اللہ تعالٰی نے باطل قرار دیا اور فرمایا: اگر تم اس سے توبہ کر کے باز آجاؤ تو پھر تمہارے لیے صرف تمہارے اصل اموال

ولا تظلمون.
(ج ۱۔ ص۵۵۴)

ہیں جو تم نے بطور قرض دیئے تھے نہ تم ان پر کچھ زائد لے کر اپنے مقروضوں پر ظلم کرو اور نہ وہ تمہارے اصل مال روک کر تم پر ظلم کریں۔

واضح رہے کہ یہاں ظلم کے معنی حق تلفی کے ہیں۔

اس تیسری عبارت میں جو بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ قرض کے اصل مال پر جو زیادتی مشروط ہوتی تھی وہ اجل یعنی مدت قرض کا عوض اور بدل سمجھی جاتی تھی۔

دوسرے مفسر امام فخر الدین الرازی نے اپنی عظیم المرتبت تفسیر مفاتیح الغیب میں جو تفسیر الکبیر کے نام سے معروف ہے ربٰو کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اما الربٰوا النسیة فھو الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیة وذلك انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرًا معینًا ویکون رأس المال باقیا، ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فان تعذر علیه الاداء زادوا فی الحق والاجل، فھذا ھوالربٰوا الذی کانوا فی الجاھلیة یتعاملون۔ (ج، ص۹۱)

البتہ ربٰو النسیۃ جو عہد جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی عملاً اس کی شکل اس طرح تھی کہ بعض لوگ اپنا مال دوسروں کو بطور قرض اس شرط پر دیتے کہ وہ ہر ماہ اپنے مقروض سے خاص مقدار میں کچھ مال بطور سود لیتے رہیں گے اور قرض کا اصل مال اپنی حالت پر باقی رہے گا پھر جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو وہ مقروض سے اصل مال کا مطالبہ کرتے پھر اگر ادائیگی اس کیلئے مشکل ہوتی تو اپنے حق اور قرض کی مہلت میں اضافہ کر دیتے پس یہی وہ ربٰو تھی جس کا لوگ عہد جاہلیت میں لین دین اور کاروبار کرتے تھے۔

تفسیر الکبیر ہی میں ربٰو سے متعلق ایک اور عبارت اس طرح ہے۔

کان الرجل فی الجاھلیة اذا کان له علی انسان مائة درھم الی الاجل، فاذا جاء الاجل ولم یکن المدیون واجدا لذلك قال زدنی فی المال حتی ازید فی الاجل، فربما جعله مائتین۔ (ج ۹ ص۷)

زمانۂ جاہلیت میں ایک آدمی کے کسی انسان پر ایک خاص وقت کے لیے ایک سو درہم قرض ہوتے پھر جب وہ وقت آتا اور مقروض کے پاس ادائیگی کے لیے مال نہ ہوتا تو وہ کہتا تم میرے حق میں اضافہ کر دو تاکہ میں اجل کو زیادہ کر دوں پس بسا اوقات وہ سو درہم کے دو سو درہم کر دیتا۔

مذکورہ عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ عہد جاہلیت کی ربٰوا جس کو قرآن مجید نے قطعی حرام بتلایا ہے اس کے اندر جو مرکزی تصور کارفرما تھا وہ یہ کہ مقرض یعنی قرض دینے والا، مدت قرض کے بدلے قرض کے اصل مال پر کچھ زائد مال کا حقدار قرار پاتا ہے قرآن حکیم نے اس ربٰوا کو حرام قرار دے کر اور یہ فرما کر کہ مقرض اپنے اصل مال پر جو بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے، تصور مذکور کی نفی کر دی ہے گویا یہ فرمایا کہ اجل اور مدت قرض کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مال کا بدل بن سکتی اور جس کا کوئی معاوضہ لیا دیا جا سکتا ہو۔

یہاں تک ربٰوا الجاہلی اور ربٰوا النسیئۃ کی حقیقت و ماہیت اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ لکھا اور عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں جب ہم اپنے زیر بحث معاملے کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے منشا و مقصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربٰوا النسیئۃ جیسا معاملہ ہے وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ نیز جس طرح ربٰوا النسیئۃ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد لیا جانے والا مال بلاعوض ہوتا اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے اسی طرح زیر بحث معاملے میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربٰوا النسیئۃ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمایے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیر بحث بیع الموجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیدا آور محنت اور عملی جد و جہد کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمایے کو بڑھانا ہوتا ہے، پھر جس طرح ربٰوا النسیئۃ کے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیاء اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربٰوا النسیئۃ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربٰوا النسیئۃ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے وہ سب زیر بحث بیع مؤجل کے معاملہ سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں لہٰذا اصول قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہیئے جو معاملہ ربٰوا النسیئۃ کا ہے یعنی حرام کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود و معاملات میں شرعاً کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا۔ الاعتبار فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے۔ (جاری ہے)

مولانا شہاب الدین ندوی

حیاتِ ثانی کا ثبوت سائنسی نقطہ نظر سے

(۳)

اس موقعہ پر ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اجزا و عناصر اس کے خلیاتی (CELLULAR) نظام کے تغیر و تبدل کے باعث ہر چند سال میں کم از کم آٹھ دس سال میں ایک مرتبہ بدل جاتے ہیں۔ جیساکہ جدید سائنس کا نظریہ ہے۔ تو اس لحاظ سے کسی انسان کے اصلی اجزا و عناصر کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا انطباق یہاں پر کیسے ہوگا اور اس مشکل مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ تو اس کا ایک سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کے اجزا و عناصر اس کی زندگی میں ۔۔ خلیوں کی گھسائی پٹائی کی وجہ سے ۔۔ چاہے جتنی مرتبہ بھی تبدیل ہو جائیں مگر اس کی "شخصیت" کا اعتبار غالباً اس کے آخری مرتبہ کا ہوگا۔ یعنی جب کوئی شخص مرے گا تو اس موقع پر اس کے جو اجزا و عناصر ہوں گے اسی پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

بقائے روح کے دلائل اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی کی "شخصیت" کا اعتبار اصلاً اس کے جسم یا اس کے اجزا و عناصر پر نہیں بلکہ اس کی روح پر ہوگا[۲۴] جو غیر فانی ہوتی ہے جسم اور اس کے اجزا خواہ کتنے ہی بدل جائیں مگر اس کا شعور و ادراک اس کا حافظہ و تخیل اور اس کے نفسی احوال و کوائف ہر حال میں برقرار رہتے ہیں۔ بقائے روح پر یہ ایک قطعی و یقینی دلیل ہے جس سے کوئی مادہ پرست انکار نہیں کر سکتا اور یہ قطعاً غیر مادی ہے کیونکہ وہ تمام مادی تغیرات اور سارے اجزائے انسانی گھس پٹ کر تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو نہ تو تولا جا سکتا ہے نہ ناپا جا سکتا ہے اور نہ کسی لیبارٹری میں اس کی شناخت کی جا سکتی ہے۔ مگر وہ کیمیائی تغیرات کا نتیجہ نہیں ہے جیساکہ مادہ پرست روح کا انکار کرنے کے سلسلے میں تاویل کرتے ہیں۔ ورنہ وہ بھی جسمانی تغیرات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی

۲۴؎ اگرچہ اس کی شخصیت کی شناخت کے لئے اس کا جسمانی وجود بھی ہو بہو شکل میں ضروری ہے ورنہ خلاقیت و ربوبیت مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس توجیہہ سے اس سلسلے کے بہت سے فلسفیانہ اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اس کو "امر ربی" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے انسان قاصر ہے۔ (بنی اسرائیل : ۸۵)

غرض روح کے غیر مادی یا غیر جسمانی ہونے کا ایک اور ثبوت ہمیں نیند کی حالت میں ملتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سویا ہوا شخص بظاہر مُردہ نظر آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیداری سے پہلے کوئی چیز موجود تھی جو نیند کی حالت میں اس سے جدا ہو چکی ہے اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ وہ نیند کی حالت میں خواب دیکھتا ہے اور خواب کی حالت میں وہ مختلف جہانوں کی سیر کرتا ہے۔ جو بیداری کے بعد اسے یاد آتے ہیں۔ وہ خواب کی حالت میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہے اور بعض اوقات اپنے مرے ہوئے اعزہ سے بھی ملاقات کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے جسم نے حرکت بالکل نہیں کی۔ اور وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے اندر جو چیز موجود تھی اُسی نے یہ سارے تماشے دیکھے ہیں۔ اور اس کا انکار ایک حقیقت واقعہ کا انکار ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ خلاقِ ازل نے خود ہر انسان کے نفس کے اندر رُوح اور وجودِ باری کا ثبوت رکھ دیا ہے اور اس اعتبار سے گویا کہ ہر انسان خود اپنے آپ پر ایک حجت ہے۔ اور اس پر مزید کسی خارجی دلیل یا ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لئے صحیفہ حکمت میں کہا گیا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون (ذاریات ۲۱)

اور خود تمہارے انفس میں بھی وجود خداوندی کی نشانیاں موجود ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

غرض قیامت اور "اعادۂ اجسام" سائنٹیفک نقطہ نظر سے ایک امر ممکن ہے جس کے وقوع میں عقلی اعتبار سے کسی قسم کا استبعاد دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ تمام مظاہر کائنات اس کے وقوع کی شہادت دیتے نظر آرہے ہیں۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں اس کا ظہور چند عناصر کے اتفاقی ملاپ کے باعث خود بخود ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ بجائے خود "غیر سائنٹیفک" ہے کیونکہ وہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو بے ثبوت اور بے دلیل ہے۔ اور اس سلسلے میں حقیقت واقعہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی "موجود" تھا اور مرنے کے بعد بھی "موجود" رہے گا۔ فرق یہ ہے کہ نقش اول اور نقش ثانی میں صرف اس کا "قالب" بدلے گا باقی اس کی "شخصیت" ازل سے ابد تک یکساں رہے گی جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (بقرہ ۲۸)

تم اللہ کا انکار کیسے کرسکتے ہو جب کہ تم (اپنی تخلیق اول سے پہلے) مُردہ تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا؟ پھر وہی تم کو مارے گا پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں دو "اموات" اور دو "زندگیوں" کا تذکرہ ہے اور یہ خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تم اپنی تخلیق اول سے پہلے معدوم تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر وہ، ہماری حیاتِ طبیعی کے اختتام پر پھر تمہیں مارے گا اور پھر دوبارہ قیامت کے موقع پر زندہ کرے گا[1]۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری دنیوی زندگی کے بعد "روحوں" کی شکل میں ہمارا وجود قیامت تک باقی رہے گا اسی طرح ہمارا وجود دنیا میں آنے سے پہلے بھی موجود تھا۔ بالفاظ دیگر ہماری تخلیق اول سے پہلے بھی ہم ارواح کی شکل میں موجود تھے اور مرنے کے بعد قیامت تک ارواح کی شکل میں باقی رہیں گے۔ گویا کہ ہمارا وجود ازل سے ابد تک برابر موجود ہے اور رہے گا۔ درمیان میں ہم کو صرف ایک مختصر سے وقفہ کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح جسم سے ایک بالکل الگ چیز ہے جو کسی طبیعی یا کیمیائی تغیر کا نتیجہ نہیں ہے ورنہ سائنس اب تک اس کو کسی لیبارٹری میں پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ روح کبھی مرتی نہیں اور اس پر "موت" کا اطلاق کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ زندہ اور بیدار رہتی ہے اور قدرت کے ایک اشارے پر وہ کسی جسم میں داخل ہوتی یا نکل جاتی ہے جب وہ کسی جسم میں داخل ہوتی ہے تو وہ "زندہ" ہو جاتا ہے اور جب وہ اس سے نکل جاتی ہے تو وہ "مُردہ" بن جاتا ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے بجلی کا ایک بلب، کہ جب بجلی اس میں داخل ہوتی ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے اور جب خارج ہوتی ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے۔ مگر جس طرح بجلی کی اصل حقیقت و ماہیت سے پوری دنیائے سائنس ناواقف ہے اسی طرح وہ روح کی کُنہ و حقیقت سے بھی ناآشنائے محض ہے۔ مگر پھر بھی سائنس بجلی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ضرور رکھتی ہے جب کہ روح کے بارے میں اُس کا علم درجۂ صفر پر ہے۔ چنانچہ بجلی کے بارے میں سائنس صرف اتنا کہتی ہے کہ وہ الکٹرانوں کے ایک سیدھ میں بہاؤ کا نام ہے۔ مگر یہ خود الکٹران کیا ہے اور اس میں ودیعت شدہ منفی NAGATIVE چارج کی حقیقت

---

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۲۴۹

کیا ہے ؟ وہ کس طرح کام کرتا ہے اور روشنی کس طرح پیدا کر دیتا ہے ؟ تو ان تمام حقائق کی وہ کوئی معقول توجیہہ و تاویل نہیں کر سکتی ۔ یہی حال ایٹم کے دیگر اندرونی اجزا (پروٹان اور نیوٹران) کا بھی ہے کہ انسان کسی بھی چیز کے باطنی افعال اور ان کی صحیح کارکردگیوں سے واقف نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی نظر چند ظاہری اسباب و علل سے آگے نہیں جا سکتی ۔ اور وہ کسی بھی چیز کے " اندرون " کا صحیح حال معلوم نہیں کر سکتا ۔ ظاہر ہے کہ جب انسان مادی اشیاء کی حقیقت و ماہیت ہی سے پوری طرح واقف نہیں ہے تو پھر وہ روح اور اس کی حقیقت کا کیا ادراک کر سکتا ہے ۔ جو سراسر ایک غیر مادی چیز ہے مگر یہی روح (امر ربی) جب کسی "مردہ" یا "خوابیدہ خلیہ" میں دوبارہ خدا کے حکم سے داخل ہو گا تو وہ "بیدار" ہو جائے گا اور نہایت سرعت کے ساتھ نشوونما پانے لگے گا ۔

عالم برزخ نیند کی حالت میں

جس طرح ایک بیج یا جرثومہ "اسپور" بن کر نامساعد حالات میں بے حس و حرکت اور خوابیدہ حالت میں رہتا ہے اسی طرح ہر انسان کا ایک خاص خلیہ "عجب الذنب" بھی نیند اور غنودگی کے عالم میں ہوتا ہے اور بعض حدیثوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان قبر (عالم برزخ) میں نیند یا غنودگی کے عالم میں ہوتا ہے ۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ کسی مردے کو جب زمین میں دفن کیا جاتا ہے تو اس موقع پر دو فرشتے " منکر اور نکیر " مردے سے مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے دے تو وہ مطمئن ہو کر اس سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں :۔

نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ، حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک ۔

سو جاؤ جس طرح نئی نویلی دلہن (بے فکری کے ساتھ) سوتی ہے جس کو اس کا سب سے زیادہ محبوب ہی آکر جگائے گا ۔ یہاں تک کہ اللہ اسے اپنی خوابگاہ سے اٹھائے [۲۶]

یہ بات نیک بندوں کے ساتھ نرم برتاؤ اور محبت کے اظہار کے طور پر کہی جائے گی ۔ بہر حال قیامت کے دن جب مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ وہ اب تک نیند کی حالت میں تھا جیسا کہ قرآن اس مسئلے پر دلیل ناطق ہے :۔

ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون ٥ قالوا

[۲۶] جامع ترمذی کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، ۳/ ۳۸۳ - ۳۸۴، دار احیاء التراث العربی

یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا سکتہ ھذا ما وعد الرحمن وصدق

المرسلون - ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم جمیع لدینا محضرون ہ

اور جب صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا ؟ یہ تو وہی (سچی) بات ہے جس کا خدائے رحمن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا - وہ تو ایک زوردار آواز ہو گی - پھر سب کے سب ہمارے روبرو حاضر ہو جائیں گے - (یٰس : ۵۱، ۵۳)

مظاہر عالم حکم الٰہی کے منتظر

اسلام ایک فطری اور معقول دین ہے اس لئے وہ اپنے تمام عقائد و تعلیمات کی عقلی علتیں اور مصلحتیں اور ان کے دلائل بھی سائنٹیفک نقطہ نظر سے بیان کرتا ہے تاکہ نوع انسانی اس کی تعلیمات کو غیر معقول تصور کر کے نظر انداز نہ کر دے اور مذکورہ بالا مباحث سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہو جاتی ہے - اس اعتبار سے وہ عمومی طور پر ایسی کوئی بات بیان نہیں کرتا جو بظاہر " خلافِ عقل " معلوم ہوتی ہو - مگر یہ اصول اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ کسی چیز کی علت انسانی عقل اور اس کی سمائی میں نہ آنا اس کے " خلافِ عقل " ہونے کی دلیل نہیں ہے - ورنہ خود دنیائے طبیعات اور دنیائے حیاتیات میں ایسی بے شمار چیزیں موجود ہیں جن کی حقیقت انسان نہیں جانتا - تو کیا ان سب کو خلافِ عقل قرار دیا جا سکتا ہے ؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں خود سائنسی تحقیقات ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا - بلکہ صرف شریعت یا سائنس ہی پر کیا موقوف دنیا کے ہر علم و فن سے دست بردار ہونا پڑے گا - اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس طرح " عالم تکوین " میں ایسے بہت سے " اسرار " موجود ہیں جن کو انسان نہیں جانتا - اسی طرح " عالم تشریع " یا علم شریعت میں بھی ایسے بہت سے امور و مسائل موجود ہیں جن کی صحیح کنہ و حقیقت سے انسان واقف نہیں ہے - مگر وہ خلافِ عقل نہیں ہیں - اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت یہی نظر آتی ہے کہ ان دونوں میدانوں میں انسان کا علم ایک محدود دائرہ سے آگے نہ بڑھ سکے - ورنہ اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے - کیونکہ انسان کی فطرت میں اپنے علم پر غرور کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہے - اس لئے اگر وہ ہر چیز کی اصلیت سے واقف ہو جائے تو پھر وہ ایک برتر اور " پُر اسرار " ہستی کے وجود کا قائل ہی کیوں ہو ؟ لہٰذا انسان کو انسان بنائے رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قدم قدم پر اس کا " تحیر و استعجاب " برقرار رہے اور اسے اپنی بے چارگی کا شدید احساس ہوتا رہے -

بہر حال اوپر مذکور تمام مثالیں عقلی اعتبار سے نوعِ انسانی کی تسلی و تشفی اور اتمام حجت کے طور پر

ہیں۔ ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کرلیا جائے اور اسے ایک کرشمہ ساز ہستی مان لیا جائے تو پھر اس کے قادرِ مطلق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنی تخلیقات میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اور اس کی عظیم الشان قدرت کا اندازہ ہمیں فلکیات اور اجرام سماوی کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ جن کی تعداد جدید تحقیقات کی رو سے محیر العقول حد تک بہت زیادہ ہے اتنی زیادہ کہ ایک عام آدمی شاید ہی اس پر یقین کرے۔

غرض وہ اتنی زبردست قدرت والا ہے کہ اُسے کسی چیز کو بنانے کے لئے اس طرح ہاتھ پیر چلانے کی ضرورت ہی نہیں ہے جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو بنانے کے لئے ہاتھ پیر چلاتا ہے۔ بلکہ اس کے مجرد حکم کے ساتھ ہی وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیات میں یہی تمام حقائق بیان کرتے ہوئے باغی انسان کے انکارِ قیامت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ اس پوری کائنات کی تکمیل اور باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے کیونکہ وہی تمام کا خالق، ربّ، الٰہ، حاکم، بادشاہ اور مالکِ حقیقی ہے۔

اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقٰدرٍ علیٰ ان یخلق مثلھم ط بلیٰ ق وھو الخلّٰقُ العلیم۔ انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون فسبحٰن الذی بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ والیہ ترجعون ہ (یٰس ۸۱-۸۳)

کیا وہ جس نے اجرام سماوی اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے ؟ کیوں نہیں ! وہ تو ماہرِ تخلیق اور سب کچھ جاننے والا ہے اُس کا معمول تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس قدر کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ بڑا مقدس ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی تکمیل ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔

جب انسان زمین سے اُگنے لگیں گے

اب یہاں پر ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نباتات کے عملِ تخلیق یا "حیاتِ ثانی" کا نظارہ ہم کہ اس بنا پر ہو رہا ہے کہ دراصل ان میں بیج ہوتے ہیں جو ان کی نشاۃِ ثانیہ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ انہی بیجوں سے نئے برگ و بار نکلتے ہیں اور ایک پورا درخت نکل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس انسان میں ایسی کوئی چیز (بیج یا گٹھلی کی قسم کی) موجود نہیں ہے جس سے وہ بھی نباتات ہی کی طرح دوبارہ اُگ سکے اور نشو و نما پا کر ایک پورے انسان کے روپ میں جلوہ گر ہو سکے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی ہڈیوں میں بھی (نباتات کے بیجوں ہی کی طرح) ایک خاص قسم کی ہڈی (رائی کے دانے جیسے) ہوتی ہے، جو زمین میں گلنے سڑنے سے محفوظ رہتی ہے۔ پھر قیامت کے موقع پر اللہ تعالیٰ ایک خاص قسم کی بارش برسائے گا، جس کی نمی اور رطوبت سے وہ ہڈی بالکل ایک بیج ہی کی طرح نشو ونما پا کر بڑھنے لگے گی۔ اور اس میں ہر ہر انسان کی ساری خصوصیات بالکل ایک "فوٹو کاپی" کی طرح بند رہیں گی جس طرح کہ ایک ننھے سے بیج میں ایک پورے درخت کی شبیہہ موجود رہتی ہے۔ ہر انسان کے اجزاء وعناصر، شکل وصورت، چہرہ مہرہ، رنگ وروپ، غرض سب کچھ اپنی "پہلی حالت" کے مطابق ہوگا۔ اور تمام انسان بالکل نباتات ہی کی طرح اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ مگر اس موقع پر ایک فرق یہ ہوگا کہ نباتات کے برعکس یہ "خروج ثانی" بجائے تدریج کے غالباً دفعۃً عمل میں آئے گا۔ چنانچہ بعض احادیث میں یہ اہم ترین انکشاف اس طرح مذکور ہے:۔

...... ثم ینزل اللہ من السماء ماءً فینبتون کما ینبت البقل۔ لیس من الانسان شیءٌ الا یبلیٰ الا عظماً واحداً، وھو عجب الذنب۔ ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک بارش برسائے گا تو تمام لوگ اس طرح اُگنے لگیں گے جس طرح سبزی اُگتی ہے۔ انسان کے تمام حصے گل سڑ جاتے ہیں سوائے ایک ہڈی کے جو دُم کی ہڈی ہے اور اسی ہڈی سے قیامت کے دن تمام مخلوقات کی ترکیب نو عمل میں آئے گی[۱۵]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

کل ابن آدم یاکلہ التراب الا عجب الذنب، منہ خلق وفیہ یرکب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کو مٹی کھا لیتی ہے سوائے ایک ہڈی کے۔ (عجب الذنب) کے اسی کے ذریعہ اسے پیدا کیا گیا ہے اور اسی کے ذریعہ اسے دوبارہ ترتیب دیا جائے گا[۱۶]

عجب الذنب کے لغوی معنی دُم کے پچھلے حصے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ لطیف ہڈی ہے جو ریڑھ کے آخری حصے اور چوپایوں کے دُم کی جڑ میں ہوتی ہے[۱۷]

نیز شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی نے حاکم اور ابو یعلیٰ کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس سے

---

[۱۵] صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن، سورہ عم یتساءلون۔ باب یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجاً۔ جلد ۶ صفحہ ۷۹۔ صحیح مسلم کتاب الفتن باب ما بین النفختین۔ جلد ۴ صہ ۲۲۷۱ [۱۶] صحیح مسلم ۴/۲۲۷۱ [۱۷] فتح الباری ۸/۵۵۲۔ مطبوعہ ریاض

"عجب الذنب" کی حقیقت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

قیل یارسول اللہ ما عجب الذنب؟ قال مثل حبۃ خردل

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عجب الذنب کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ رائی کے دانے جیسی ایک چیز[۵۱]

یہ ایک بہت بڑی سائنسی قسم کی حقیقت ہے جس کی موجودہ ترقی یافتہ دور میں بڑی اہمیت ہے ظاہر ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کے انسان کو اس سے زیادہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ وہ اس سے زیادہ تفصیل کا متحمل ہوسکتا تھا۔ خدا کے آخری رسول نے جو کچھ بھی بتایا ظاہر ہے کہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں ایک غیبی حقیقت کا انکشاف ہے۔ اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اس مبہم اور مجمل بیان کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ مگر علمائے اسلام نے ان حدیثوں پر اب تک غور ہی نہیں کیا ہے جو نہایت درجہ حیران کن حقائق کی حامل ہیں۔

جدید سائنس کی شہادت "رائی کے دانے کی مانند ایک چیز" ظاہر ہے کہ یہ ایک بلیغ تشبیہہ ہے جو کسی رتی سی چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ رتی سی چیز موجودہ حیاتیات کی روشنی میں سوائے خلیہ CELL کے اور کیا ہوسکتی ہے جو نہ صرف زندگی کی ایک اکائی (یونٹ) ہے بلکہ "زندگی" کی تمام سرگرمیاں پُراسرار طور پر اسی میں واقع ہوتی ہیں۔

اور جدید تحقیقات کی رو سے کسی چیز کے محض ایک خلیہ کے وجود کے باعث ویسی ہی خصوصیات والے متعدد خلیے وجود میں آسکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ایک پورا جسم نئے سرے سے تیار ہو کر کھڑا ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے سامنے دو شہادتیں موجود ہیں۔ ۱۔ ایک نباتات کی جو ایک ننھے سے بیج سے برآمد ہوتے ہیں۔ ۲۔ ایک دوسرے علم جنین EMBRYOLOGY کی، جس کی رو سے خود انسان کی ابتدا ایک واحد خلیہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ مرد کے تخم منوی SPERMATOZOON اور عورت کے بیضہ OVUM کا مخلوطہ ہوتا ہے۔ جسے اصطلاح میں جفتہ ZYGOTE کہا جاتا ہے اور اسی ملے جلے نطفہ کو قرآن مجید میں "نطفہ امشاج" کہا گیا ہے (دہر ۲)

اس حقیقت کے پیش نظر اوپر مذکور صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں غور فرمائیے جس کے الفاظ بڑے بلیغ اور معنی خیز ہیں۔

منہ خلق وفیہ یرکب: ہر انسان کی ابتداء اسی (رائی کے دانے جیسی ایک چیز) سے ہوئی ہے اور

---

[۵۱] فتح الباری ۸/۵۵۲ مطبوعہ ریاض۔

وہ دوبارہ اسی سے تشکیل دیا جائے گا۔

اس موقع پر تخلیق اول کے لئے "خلق" اور تخلیق ثانی کے لئے "ترکیب" کا لفظ لایا گیا ہے جس میں بڑی نکتہ رسی پائی جاتی ہے یعنی نقش ثانی کے لئے دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنا نہیں بلکہ صرف نقش اول کے مطابق ترکیب و تشکیل دینا ہے گویا کہ نقشہ اور فوٹو پہلے سے موجود ہے اب اس میں صرف رنگ بھرنا ہے۔

جب ہم اپنی "پہلی زندگی" سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں تو اب یقین کرنا چاہئے کہ ہماری دوسری زندگی بھی بالکل اسی انداز میں تشکیل پا سکتی ہے۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے۔

ولقد علمتم النشأة الاولىٰ فلولا تذکرون

اور تم اپنی پہلی زندگی سے خوب واقف ہو تو پھر اس سے سبق کیوں نہیں لیتے ؟ (واقعہ ۶۲)

غرض علم خلیہ CYTOLOGY یا CELL BIOLOGY اور علم جنین EMBRYOLOGY کی روشنی میں ہم کو "حیات ثانیہ" کا عمل سمجھنا اور قیامت کی حقیقت سے آگاہ ہونا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ بغور فرمائیے وراثتی مادوں (جین اور کروموسوم) کا عمل خلیوں میں انجام پاتا ہے اور ہر خلیہ اپنی جگہ پر ایک مکمل کارخانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر امیبا AMEOBA یک خلوی جاندار ہے۔ جو زندگی کی سب سے زیادہ سادہ ترین شکل ہے۔ یعنی ہر امیبا صرف ایک خلیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اسی طرح پروٹوزوا PROTOZOA اور مختلف قسم کے جرثومے GERMS وغیرہ بھی یک خلوی جاندار ہوتے ہیں۔ اور ان ننھے ننھے جانداروں سے خشکی، پانی اور فضا کا کوئی حصہ خالی نہیں ہے۔ مٹی کے اندر پائے جانے والے بکٹیریا بھی یک خلوی ہوتے ہیں۔ اور کرۂ ارض پر ان یک خلوی جانداروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا مجموعی وزن تمام حیوانات سے ۲۵ گنا زائد ہے۔

اس طرح یک خلوی جاندار انسان کی عبرت و بصیرت کے لئے ہر جگہ بافراط پھیلا دئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے نظاموں کا مطالعہ کر کے خدائی اسباق و بصائر کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس سلسلے میں انسان کے لئے ایک حیران کن سبق یہ بھی رکھا گیا ہے کہ ان خوردبینی جانداروں MICROBES میں بعض مخصوص قسمیں صرف گیارہ منٹ میں خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں جب کہ اکثر و بیشتر قسمیں بیس سے تیس منٹ میں منقسم ہوتی ہیں اور سب سے سست رفتار انواع اس عمل میں دو تین گھنٹے لگا دیتی ہیں۔ خوردبینی جانوروں کے یہ خلیے اور ان کا نظام کئی حیثیتوں سے انسانی اور نباتاتی خلیوں کے مشابہ ہے۔ اور اس حیثیت سے پوری "دنیائے حیات" میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک واحد خلیہ ایک لمبی مدت تک مردہ حالت میں رہنے کے بعد پھر دوبارہ کیسے زندہ ہو

سکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں جدید تحقیقات کی رو سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ بعض جراثیم انتہائی نامناسب حالات مثلاً رطوبت اور غذا کی یا شدید درجۂ حرارت میں بھی ایک لمبے عرصے تک بے حس و حرکت رہ کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ اور ایسے جراثیم ناموافق حالات میں اپنے خلیوں کے اندر بیج نما جسم بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ان کے اوپر ایک حفاظتی غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اور ایسے جراثیم کو اسپور SPORE کہا جاتا ہے۔ جو موافق حالات میسّر آنے پر دوبارہ زندہ ہو کر اپنا حیاتیاتی عمل دہرانے لگتے ہیں۔ گویا کہ وہ اب تک خوابیدہ حالت میں تھے۔

چنانچہ اس طرح بعض بیج اور اسپور ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

اوپر مذکور بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق یہ فقرہ اپنے اندر کافی معنویت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے موقع پر ایک (خاص قسم کی) بارش برسائے گا۔ جس کی وجہ سے تمام مُردے سبزی کی طرح زمین سے اُگنے لگیں گے۔

خلّاق ازل کے جلوے | سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ثابت ہو چکا ہے کہ "زندگی" صرف زندہ اشیاء ہی سے وجود میں آسکتی ہے۔ مردہ عناصر سے نہیں۔ جیسا کہ پاسچر کے تجربات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ اور "حیاتیاتی" نقطۂ نظر سے زندگی اپنی خصوصیات قائم رکھ سکتی ہے۔ لہٰذا ایک خلّاق ہستی کا وجود تسلیم کئے بغیر اسرارِ حیات نہیں کھلتے۔ اور آغازِ حیات کا معمہ حل نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے اس کائنات کا خالق وہی ہو سکتا ہے جس نے اولین طور پر نہ صرف مُردہ عناصر سے زندہ شے (مادۂ حیات) وجود میں لایا۔ بلکہ اپنی خلاقیت کے اس مظاہرہ کو برابر دہراتے ہوئے ہمیشہ بے جان چیزوں میں زندگی ڈال رہا ہے اور جاندار چیزوں سے پھر بے جان چیزیں (جیسے بیج اور انڈا) نکال کر دکھا رہا ہے۔ تاکہ غافل انسان اس کے اس تخلیقی معجزہ کی طرف توجہ کر سکے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

اللہ ہی بیج اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور ان میں سے انکھوے نکالتا ہے اس طرح) وہ مُردہ چیز سے زندہ چیز (مادۂ حیات) نکالتا ہے اور زندہ چیز سے مردہ چیز (پھر بیج اور گٹھلی) برآمد کرتا ہے یہی ہے اللہ، تو تم کدھر بہکے بہکے جا رہے ہو؟ (انعام ۹۵)

کیا ایک حقیر سے بیج سے ایک مکمل پودا اور ایک مکمل درخت، اس کی تمام نوعی خصوصیات کے ساتھ نکال کھڑا کرنا۔ پھر اُن پودوں اور درختوں سے بالکل اُسی قسم کے بیج برآمد کرنا اور اس عمل کو بغیر کسی ادنیٰ سی کمی بیشی بار بار دہراتے رہنا اس کی خلاقیت کا ایک بے مثال مظاہرہ نہیں ہے؟

B.P
ذائقے میں لذیذ
غذائیت سے بھرپور
حفظانِ صحت کے
اصُولوں پر تیار کردہ
بی پی
• ڈبل روٹی
• فروٹ بن
• فروٹ کیک
B.P
بی پی (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۵۱- فیروز پور روڈ - لاہور
فون: ۳۱۶۸۳۲، ۳۱۶۸۳۷
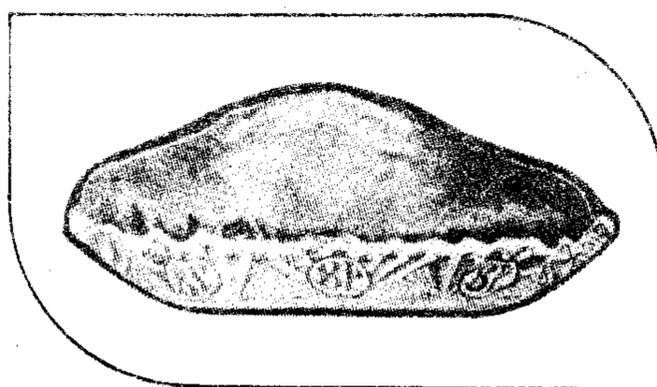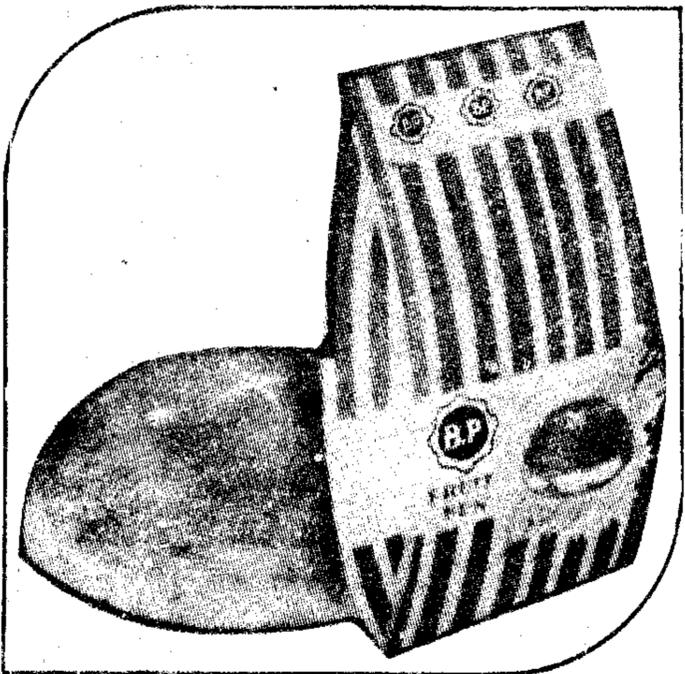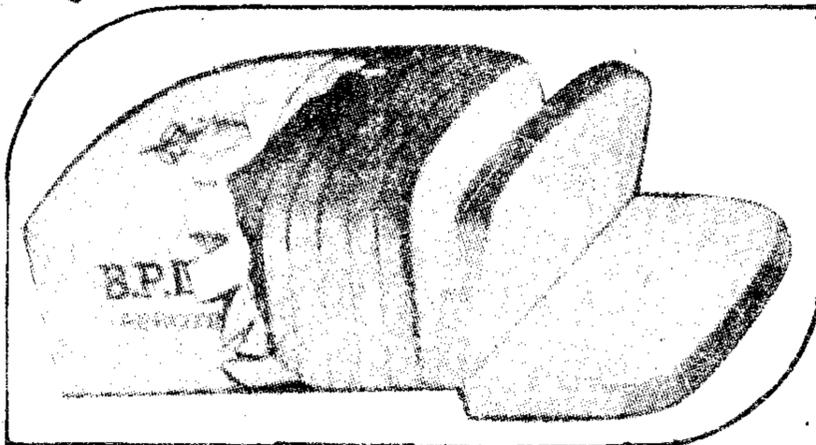
مولانا سید تصدق بخاری

جبین
کروٹ ہے یا ماتھا

ذیل کا مقالہ ترجمہ و تفسیر سے شغل رکھنے والے اہل علم اور ریسرچ و تحقیق پر کام کرنے والے ارباب بصیرت کے انعطاف توجہ کے لیے نذر قارئین ہے کلّا و حاشا! نہ تو اس سے کسی سوءِ ادب کا ارادہ ہے اور نہ ہی کسی کے علمی پندار کا اظہار، الحق نے ہمیشہ سے علمی اور تحقیقی کاوشوں کے لیے اپنے صفحات وقف کر رکھے ہیں اس موضوع پر مزید اظہار کے لیے اہل علم کی تحریروں کو خصوصیت سے شائع کیا جاتے گا تاہم ہمارے نزدیک صرف بات وہی نہیں جو مقالہ نگار کا خیال ہے حسن تاویل اور تطبیق کی معتدلانہ راہ بھی تو اپنائی جا سکتی ہے۔ ادارہ

واضح ہو کہ بقرار زیر علم و عرفان کے بحر ذخار علماء فخام و محدثین عظام تغمدھم اللہ برحمتہ سے زیر عنوان آیت کا ترجمہ کرنے میں سہوًا تسامح کا ارتکاب ہوا ہے۔ یہ چوک قلت علم کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ وفور علم کے باوجود کنج کاوی اور اس کی طرف التفات نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ عربی میں ماتھے کو جبہہ کہتے ہیں نہ کہ جبین۔ حسب ذیل اکابر عمائد دین نے ناالتفاقی کے عالم میں جبین کا ترجمہ پیشانی کر دیا ہے۔

۱۔ جناب مفتی پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع علیہ سحائب الرحمت و رضوان توفی ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ موافق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء نے جبین کا معنیٰ ماتھا (پیشانی) ہی کیا ہے۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔
پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل۔

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ بن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، ولد ۱۱۶۳ھ موافق ۱۷۴۹ء توفی ۱۲۳۳ھ موافق ۱۸۱۷ء نے بھی جبل کا توں ترجمہ کیا ہے۔ پچھاڑا اس کو ماتھے پر۔

۳۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ بن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ولد ۱۱۶۷ھ توفی ۱۲۳۰ھ موافق ۱۸۱۴ء نے جب ۱۲۰۵ھ موافق ۱۷۹۱ء میں قرآن کریم کا اردو میں سب سے پہلا جامع ترجمہ جب کیا تو وہ بھی جبین کا ترجمہ ماتھا کر گئے۔ یہ جامع و مانع ترجمہ ہے بعد کے تراجم اسی کا مثنیٰ ہیں۔ اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل۔

۴۔ مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی بن مولانا محمد امیر حنفی رحمہ اللہ ۲۷ رجب ۱۲۶۶ھ ۱۸۴۹ء کو ضلع انبار کے قصبہ گمتھلا میں پیدا ہوتے اور ۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۶ء کو دہلی میں فوت ہوتے آپ نے بھی حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی اتباع میں جبین کا ترجمہ منہ کیا ہے۔ ابراہیمؑ نے منہ کے بل گرادیا۔

۵۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن بن مولانا ذوالفقار علی رحمہ اللہ ولد ۱۲۶۸ھ موافق ۱۸۵۱ء توفی ۱۳۳۹ھ موافق ۳ نومبر ۱۹۲۰ء بھی حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی تقلید میں جبین کا معنی جوں کا توں کرتے ہیں۔ اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل۔

۶۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بن سید احمد حسین مودودیؒ بن سید احمد حسین مودودیؒ ولد ۳ رجب ۱۳۲۱ھ موافق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء توفی ۲۹ شوال ۱۳۹۹ھ موافق ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء بھی اکابر کی اتباع میں جبین کا ترجمہ جوں کا توں کر گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرادیا۔

۷۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بن فیروز خان رحمہ اللہ ولد ۱۹۰۹ء توفی ۱۲ رجب ۱۴۰۰ھ موافق ۲۷ مئی ۱۹۸۰ء نے بھی جوں کا توں ترجمہ کیا ہے۔ اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل۔

۸۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی مکتب فکر مجدد ماۃ حاضرہ علی زعمہم نے لکھا ہے۔ اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔

حضرات قارئین کرام! غور فرمائیے مذکورہ بالا علم وعرفان کے آسمان کے ستاروں نے جبین کا ترجمہ ماتھا یعنی پیشانی کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے اس تسامح کا ارتکاب اس لیے ہوا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ اولا اپنے ترجمہ میں جبین کا ترجمہ ماتھا لکھ دیا اور بعد کے علماء کرام نے آپ پر اعتماد کرکے اصل حقیقت کی نہ مراجعت کی اور نہ التفاتا نہ تحقیق کی۔ اب حسب ذیل مفسرین عظام و علماء فخام اور محدثین کرام علیہم سحائب الرحمت والرضوان کے تراجم پر غور فرمائیے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جبین کے معنی کروٹ کے ہیں نہ کہ پیشانی کے۔

۱۔ امام الہند حجت الاسلام عظیم الدین احمد المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سنی حنفی رحمہ اللہ، ولد ۴ شوال ۱۱۱۴ھ موافق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء۔ توفی ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ موافق ۲۰ اگست ۱۷۶۳ء نے سب سے پہلے ۱۷۳۷ء تا ۱۷۳۸ء میں قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کرتے ہوتے جبین کا معنی کروٹ کرکے ترجمہ کا حق ادا کردیا۔

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ (الصّٰفّٰت - ۱۰۳)

پس چوں منقاد شدند ہر دو و پدر بافگند فرزند خود بر جانب پیشانی۔

بر جانب = یعنی پیشانی کے کنارے پر۔ (کروٹ پر)

۲۔ علامہ محمد یوسف المشہور ابو حیان اندلسی غرناطیؒ۔ ولد ۶۵۴ھ توفی ۷۵۴ھ نے بھی جبین کا ترجمہ کروٹ کیا ہے۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ ای اوقعہ علی احد جنبیہ فی الارض (بحر المحیط ص۳۶۹) ۔ جبین کروٹ ہے یا ماتھا اور پچھاڑا اس کو ایک کروٹ پر۔ یعنی گرایا اس کو ایک کروٹ کے بل زمین میں۔

۳ - علامہ ابی القاسم جار اللہ محمود عمر الزمخشری الخوارزمیؒ ولد ۲۷ رجب ۴۶۷ھ موافق ۹ مارچ ۱۰۷۵ء۔ توفی ۹ ذی الحجہ ۵۳۸ھ موافق ۱۴ جون ۱۱۴۴ء نے بھی جبین کا معنی کروٹ کیا ہے۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ صرعہ علی شقہ فوقع احد جنبیہ علی الارض۔ پچھاڑا اس کو اس کی کروٹ پر پھر گرا اپنی ایک کروٹ کے بل زمین پر۔

(کشاف ج ۳ ص۳۸۷)

۴ - حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی روح اللہ روحہ۔ ولد ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ توفی ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ موافق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء نے اپنے علم و عرفان کی بناء پر جبین کا ترجمہ واضح کیا ہے۔ اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔

۵ - مولانا عبد الماجد دریابادی توفی ۱۷ محرم ۱۳۹۷ھ مطابق ۸ جون ۱۹۷۷ء اپنی سابقہ روش سے تائب ہو کر حضرت تھانوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے، انہوں نے بھی جبین کا معنی کروٹ ہی کیا ہے۔ اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ جیسا جانور کو لٹاتے ہیں الخ۔

۶ - حضرت مولانا محمد بدر عالم روح اللہ روحہ۔ ولد ۱۳۱۶ھ۔ موافق ۱۸۹۸ء۔ توفی ۵ رجب ۱۳۸۵ھ موافق ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء میرٹھی و بدیوانی ثم پاکستانی ثم مدنی مدفون جنت البقیع بھی جبل کا یوں ترجمہ کرتے ہیں۔

ثم اعلم اَنَّ الْجَبْهَةَ وَاحِدٌ وَالْجَبِيْنَ اِثْنَانِ وهما قرنا الرَّاْسِ۔ پھر جان لو کہ جبہہ ایک ہے اور جبینیں دو ہیں اور وہ دونوں سر کے دو کنارے ہیں۔ ایک دائیں اور ایک بائیں۔

(فیض الباری ج ۲ ص۳۰)

۷ - جبین پیشانی کے ایک جانب۔ جبہہ، بفتح۔ جبہہ کے دائیں اور بائیں جانب کا حصہ جبین ہے۔ دونوں ابرووں کے بیچ کا حصہ جبہہ ہے یعنی پیشانی۔ (لغات سعیدی ص۲۲۱ - نور اللغات ج ۲ ص۳ مطبوعہ لاہور)

۸ - امام محی السنہ بغویؒ[1] شافعی۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کا ترجمہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

قال ابن عباس اضجعہ علی جبینہ علی الارض والجبہہ بین الجبینین۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پچھاڑا اس کو کروٹ کے بل زمین پر اور پیشانی (ماتھا) دو جبینوں کے درمیان ہے۔

(معالم التنزیل ص۲۹)

[1] توفی ۵۱۶ھ

۹ ۔ لغات عرب کے امام علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری تغمد اللہ برحمتہ ۔ ولد محرم ۶۳۰ھ توفی شعبان ۷۱۱ھ بھی جوں کا توں ترجمہ کرتے ہیں ۔

والجبین فوق الصدغ وھما جبینان عن یمین الجبھة وشمالھا ۔ والجبھة موضع السجود ۔ (لسان العرب ج۱۳ ص۸۵)	اور جبین کنپٹی کے اوپر ہے اور وہ دو جبینیں ہیں ایک ماتھے (پیشانی) کے دائیں طرف اور سجدہ کی جگہ کو جبہہ پیشانی (یا ماتھا) کہتے ہیں ۔

۱۰ ۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعیؒ ولد ۶۲۰ھ توفی ۶۸۵ھ ۔ زیر عنوان آیت وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کے تحت خامہ فرسا ہیں ۔

صَرَعَهٗ عَلٰى شِقِّهٖ فَوَقَعَ جَبِيْنُهٗ عَلَى الْاَرْضِ وَهُوَ اِحْدٰى جَانِبَيِ الْجَبْهَةِ (بیضاوی ج ۳ ص۲۲۲)	گرایا اس کو اس کی کروٹ پر پھر گرا زمین پر اپنی جبین کے بل اور وہ جبہہ یعنی پیشانی کی ایک جانب ہے ۔

ان اقتباسات سے ثابت ہوا کہ جبین کروٹ کو کہتے ہیں نہ کہ ماتھے (پیشانی) کو اور پیشانی یعنی ماتھے کو جبہہ کہتے نہ کہ جبین ۔

۱۱ ۔ مفتی بغداد علامہ سید شہاب الدین محمود آلوسی بن سید عبداللہ ولد ۱۲۱۷ھ توفی ۱۲۷۰ھ زیر عنوان آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں ۔

صرعه على شقه فوقع جبينه على الارض ۔ والجبين احد جانبي الجبهة ۔ (روح المعانی ج۱۲ ص۱۳) (مظہری ج۸ ص۱۳)	پچھاڑا اس کو اس کی کروٹ کے بل زمین پر اور جبین پیشانی کی دو کروٹوں میں سے ایک کروٹ (جانب) ہے ۔

۱۲ ۔ جبین کامیر یک سوئے پیشانی ۔ (منتہی الارب ج۱ ص۱۷۹)	جبین، امیر کی مانند ہے ۔ پیشانی کی ایک جانب کو جبین کہتے ہیں ۔

۱۳ ۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق حبیبۂ حبیب خدا رضی اللہ عنہا توفیت ۵۸ھ فرماتی ہیں ۔

ولقد رايته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وان جبينه ليتفصد عرقا ۔ (بخاری کتاب الوحی)	میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی کو نازل ہوتے ہوتے دیکھا ہے پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی کے کناروں سے پسینہ بہنے لگتا ۔

جبین کروٹ ہے یا ماتھا

اس حدیث کی شرح کرتے ہوتے شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی محمود بن احمد قاہری حنفیؒ ولد ۷۶۲ھ توفی ۸۵۵ھ جبین کی تشریح یوں کرتے ہیں ۔

۱۴ - الجبین طرف الجبهة وللانسان جبینان یکتنفان الجبهة ویقال الجبین غیر الجبهة وهو فوق الصدغ وهی جبینان عن یمین الجبهة وشمالها. (عمدة القاری ج۱ ص۲۱)

جبین جبہ (پیشانی) کا کنارہ ہے۔ اور انسان کی پیشانی کی دو جبینیں ہیں، اور کہا گیا ہے کہ جبین پیشانی کے سوا ہے اور وہ کنپٹی کے اوپر ہے، اور جبینیں دو ہیں، ایک پیشانی کے دائیں طرف اور دوسری بائیں طرف ۔

۱۵ - جبین کے معنی سمجھنے میں بعض پہلے علماء کرام کو بھی تسامح ہوا ہے ۔ مثلاً ۔ صاحب قاموس المحیط، ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی فارسی رحمہ اللہ ولد ۷۲۵ھ توفی ۸۱۷ھ ۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ کے تحت خامہ فرسا ہیں ۔

کبه لوجهه ویقال لجنبه . (تنویر المقباس ص۲۷۹)

گرا یا اس کو اس کے منہ کے بل ۔ اور کہا گیا کہ کروٹ کے بل ۔

حضرت فیروز آبادی بھی جبین کا معنی منہ کرتے ہیں لیکن وہ بھی ریب و شک کے ساتھ کہ جبین کروٹ کو بھی کہا گیا ہے ۔

Safety
instant milk

ڈاکٹر محمود الحسن صاحب عارف

استاذ القراء قاری ابو محمد محی الاسلام پانی پتیؒ

اور

اُن کی خدمات

آج عوام الناس پانی پت کا نام ان تین جنگوں کی وجہ سے جانتے ہیں جو اس کے میدانوں میں مدعیانِ سلطنت کے مابین لڑی گئیں اور جنہوں نے تین بار ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ فاتحین کے حق میں دیا۔ تاہم پانی پت میں حق و باطل اور کفر و اسلام کی ایسی جنگ بھی عرصے سے لڑی جارہی ہے جس کی صدائے بازگشت اس وقت پاکستان اور ہندوستان کے ہر شہر میں سنی جاسکتی ہے۔ کفر و اسلام اور نور و ظلمت کی یہ جنگ قرآنی مکاتب و مدارس کی شکل میں برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے تک پہنچ چکی ہے۔ اس رزم گاہ کو سجانے میں پانی پت کے درویش صفت قاریوں اور حافظوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اسی بنا پر اس وقت قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے ایک خاص انداز کو "پانی پتی" قرار دیا جاتا ہے۔

"درویشوں اور قاریوں" کے شہر پانی پت کی خاک سے یوں تو صدہا ارباب علم و دانش نے جنم لیا اور سینکڑوں صاحبان فکر و فن نے اس کے آغوش تربیت میں جگہ پائی۔ جن کا تذکرہ ہندوستان کی تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ مگر ان میں چند ارباب فن ایسے ہیں۔ جو اپنے علمی کارناموں کی بدولت حیات دوام کا درجہ حاصل کرچکے ہیں۔ استادان فن کی اس فہرست میں استاذ القراء قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی کا نام نامی بھی زینت اوراق ہے۔ قرآن مجید کے درس و تدریس اور تفسیر مظہری کی طباعت واشاعت کے لئے ان کی کوششیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

قاری صاحب علمی خاندان، خاندانِ عثمانی کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے مخدوم شیخ جلال الدین عثمانی چشتی (المتوفی ۷۶۵ھ/۱۳۶۳ء) سے ان کے صاحبزادے مخدوم محمد ابراہیم کے توسط سے جا ملتا ہے۔ تفصیل اس طرح ہے:۔

قاری محی الاسلامؒ بن الحاج قاضی محمد مفتاح الاسلام بن مولوی حافظ محمد بدر الاسلام[۲] بن شیخ

محمد فخر الدین[۳] معروف بہ غلام مجدد بن شیخ[۴] غلام شمس الدین بن شیخ محمد عظیم[۵] بن شیخ جلال الدین[۶] بن شیخ سعید الدین[۷] بن مولوی[۸] شیخ عبد القدوس[۹] بن شیخ خلیل اللہ[۱۰] بن مفتی عبد السمیع[۱۱] بن شیخ حبیب اللہ[۱۲] بن شیخ حسین عرف منا[۱۳] بن خواجہ[۱۴] محفوظ بن خواجہ احمد[۱۵] بن خواجہ[۱۶] ابراہیم بن شیخ جلال الدین عثمانی۔

مخدوم شیخ جلال الدین نے اپنے فرزند ارجمند مخدوم محمد ابراہیم کوان کی لیاقت و دانائی کو دیکھ کر یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ؎

در نسل تو ہمیشہ علما خواہند بود[۱] تمہاری نسل میں ہمیشہ علماء ہوتے رہیں گے

خاندانِ عثمانی کے ایک جلیل القدر عالم اور شہرۂ آفاق مصنف قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) اپنی ایک تحریر میں مولوی نعیم اللہ بہرائچی (م ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۲ء) کو لکھتے ہیں کہ مخدوم جلال الدین کی اس پیشین گوئی کا یہ اثر ہے کہ ہمارے اس خاندان سے علم ظاہر کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اور ہر دور میں اس خاندان کے علماء ممتاز و فائق نظر آتے ہیں[۲]

قاضی صاحب قدس سرہٗ کے استاد و مربی حضرت مرزا جان جاناں شہید (م ۱۲۹۵ھ / ۱۸۱۰ء) قاضی صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد اللہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں "علوم ظاہری" کوان کی آبائی وراثت (میراث) قرار دیتے ہیں[۳]۔ جس سے اس خاندان کی علمی روایات کا از خود اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے اس مقالے کے موضوع قاری ابو محمد محی الاسلام اپنے والد ماجد مفتاح الاسلام عثمانی (بن مسماۃ بیگم بنت قاضی محمد کلیم اللہ بن مولوی دلیل اللہ بن قاضی صاحب) اور اپنے ایک جد اعلیٰ شیخ فخر الدین (بن مسماۃ نشاط بیگم بنت قاضی صاحب) کے توسط سے قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی مصنف تفسیر مظہری کی اولاد میں ہونے کا شرف رکھتے ہیں[۴]

قاری محی الاسلام نے اس علمی خاندان میں ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۵ء میں پانی پت میں اس وقت آنکھ کھولی جب ہندوستان کے طول و عرض میں برطانوی حکومت کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور مسلمانوں کی جدوجہد آزادی سامراج کے ظلم و ستم کے سامنے دم توڑتی دکھائی دیتی تھی۔

حصول تعلیم قاری صاحب نے اپنے آبائی شہر پانی پت ہی میں قرآن مجید حفظ کر کے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا

۱۔ بشارات مظہریہ (قلمی)، ص ۱۴۷ ۲۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی: بشارات مظہریہ، قلمی، مملوکہ مقالہ نگار، ورق ۱۴۷

۳۔ عبد الرزاق قریشی: مکتوبات مرزا مظہر جان جاناں، بمبئی ۱۹۶۶ء

۴۔ قاری ابو محمد محی الاسلام: تعارف تفسیر مظہری، قلمی، مملوکہ مقالہ نگار ص ۱۔

ان کے استاد پانی پت کے مشہور نابینا بزرگ "قاری عبدالرحمٰن" اعمیٰ (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) تھے۔ جو قاری نجیب اللہ پانی پتی اور قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی کے نامور تلمیذ تھے۔ انیسویں صدی کے اسی اختتامی حصے میں انہوں نے بقیہ علوم تجوید و قراءت کی تکمیل کی۔ وہ قراءت عشرہ متواترہ کے جید عالم اور فاضل استاد تھے۔

تدریس | درس نظامی اور قراۃ عشرہ کی تکمیل کے بعد انہوں نے پانی پت میں ہی درس و تدریس کا آغاز کر دیا۔ پانی پت اس وقت اپنی تعلیم و تدریس قرآن کی خدمات کے باعث پورے ہندوستان بھر میں شہرت و قبولیت کے اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا اور یہاں حصول علم کے لئے آنے والے طالب علموں اور مشتاقان علم کی کمی نہ تھی۔

پانی پت میں تدریس قرآن کی تحریک کا پس منظر | آگے بڑھنے اور قاری صاحب کی خدمات جلیلہ پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پانی پت میں "تدریس قرآن" کی تحریک کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

بارھویں صدی ہجری/اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط کا یہ واقعہ ہے کہ پانی پت کا ایک نوجوان مصلح الدین حسب معمول شب برات کی آتش بازی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ پھر اچانک ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ جس سے اس نوجوان کی مکمل طور پر کایا پلٹ گئی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اس آتش بازی کے کھیل میں ان کے ہاتھوں سے ایک قیمتی جان تلف ہو گئی۔ نوجوان مصلح الدین کو سرکاری احتساب کا ڈر محسوس ہوا۔ اور اس طرح یہ کھلنڈرا نوجوان وطن سے بے وطن ہو کر حجاز مقدس میں جوار رسول علیہ التحیۃ والسلام میں جا پہنچا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور ہم وطن نسیم احمد رامپوری سے ہو گئی۔ دونوں نے مل کر تہیہ کر لیا کہ "مدینۃ النبی" سے قراءت کا فن سیکھ کر وطن واپس لوٹیں گے۔ چنانچہ دونوں نوجوانوں نے قاری القراء شیخ الحرم عبید اللہ المدنی کی خدمت میں حاضری دی۔ اور ان کی خدمت میں پندرہ سال رہ کر سبقاً سبقاً اور حرفاً حرفاً قرآن مجید اور علوم قراءت و تجوید کی تحصیل کی۔ پندرہ برس کے بعد یہ دونوں اپنے فن میں استاد کامل بن کر وطن واپس لوٹے۔ اور یوں ہندوستان کو دو صالح اور صحیح الجذبہ نوجوان، ماہر قراءت میسر آئے۔

قاری نسیم احمد رامپوری نے اپنے وطن رامپور میں اور قاری مصلح الدین نے اپنے مولد و مسکن پانی پت میں تدریس قرآت کا آغاز کیا۔ قاری نسیم احمد نے اپنی زندگی میں سینکڑوں لوگوں کو قراءت پڑھائی۔ مگر قاری مصلح الدین نے فقط اپنے ایک بیٹے قاری عبید اللہ عرف قاری لالہ اور اپنی ایک صاحبزادی کو یہ فن سکھایا۔ ان کے یہ دونوں شاگرد اپنے فن میں اس قدر ماہر اور پختہ تھے کہ ہر کوئی انہیں سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا۔ ایک شمع نے دوسری شمع جلائی۔ تا آنکہ "پانی پت" کے حفاظ اور قراء پورے ہندوستان میں مقبول اور مشہور ہو گئے۔ اور یوں قرآن مجید پڑھنے اور قراءت قرآنیہ کے درس و

تدریس کے اس سلسلے کا نشو و نما جاری رہا۔ جو اپنے مؤسس کے مولد و مسکن سے مناسبت کی بنا پر "پانی پتی" کہلایا۔

"پانی پتی" لہجے اور "تدریس" کو آگے بڑھانے میں پانی پت کے سیکڑوں حفاظ و قراء اور قاریات نے حصہ لیا۔ اس ضمن میں قاری مصلح الدین عباسی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) قاری عبداللہ، عرف قاری لالہ (م ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء) حافظ محمد زبیر عرف مالی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) قاری خدا بخش انصاری (پیدائش ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) قاری محمدی انصاری۔ حافظ اکرام اللہ انصاری (م ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء) قاری احمد انصاری (م ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء) حافظ شمس الاسلام عثمانی (م ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء) قاری محمد علی عثمانی (م ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء) حافظ محمد علی انصاری (م ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء) حافظ نجم الاسلام عثمانی (م ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء) حافظ بدر الاسلام عثمانی (م ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) حافظ ممتاز علی انصاری (م ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) قاری کبیر الدین (م ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء) قاری نجیب اللہ عثمانی (م ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۲ء) قاری عبداللہ انصاری (م ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء) حافظ مرید حسین عثمانی (م ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء) شیخ القراء قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی۔ قاری عبدالرحیم انصاری (م ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء) قاری نور الہدیٰ عثمانی (م ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء) قاری عبدالعلیم انصاری، حافظ محمد یحییٰ انصاری اور قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی وغیرہ کے اسمائے گرامی پیش کئے جا سکتے ہیں[۱] جنہوں نے تمام زندگی قرآن مجید اور علوم قرآن کی نشر و اشاعت میں بسر کر دی۔

قاری ابو محمد محی الاسلام کی تدریس اس طرح جب قاری ابو محمد محی الاسلام کا زمانہ آیا تو اس وقت پانی پت میں یہ تحریک زوروں پر تھی۔ پانی پت کے ہر گھر سے قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ اس شہر کے مرد تو مرد رہے اس کی خواتین بھی اس "شوق" میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ چنانچہ ہمیں متعدد قاریات کا پتہ چلتا ہے جو باقاعدہ اپنے اپنے گھروں میں قرآن مجید اور علوم قرأت پڑھایا کرتی تھیں ان حالات میں قاری ابو محمد مرحوم نے بھی "مسند درس" کو زینت دی اور پانی پت کے اپنے طویل دورِ قیام میں قرآن مجید اور علوم قرات قرآن مجید ہی پڑھاتے رہے۔ جس کا زمانہ پچاس سال کے قریب تخمینہ کیا جا سکتا ہے الغرض انہوں نے ایک طویل زمانہ قرآن مجید اور علوم قرآن کی ترویج و اشاعت میں بسر کر دیا اور پھر تقسیم ملک کے بعد اوکاڑہ میں اپنی وفات (۱۹۵۳ء) تک یہی فرائض انجام دیتے رہے۔

قاری ابو محمد محی الاسلام کے تلامذہ پانی پت کے نصف صدی کے قریب ان کے دورِ تدریس میں سینکڑوں

---

[۱] سمیع اللہ قریشی، قاریوں اور درویشوں کا شہر پانی پت، درسیارہ

...لاء وقراء نے ان کے فیضِ تربیت سے علوم قرأت وتجوید کی تکمیل کی۔ تاہم اس میں دو شاگرد سب سے ...اور ممتاز تھے۔

قاری شیر محمد قاری شیر محمد صاحب اپنے وقت کے بہترین حافظ اور جید قاری تھے مگر بدقسمتی سے ...پنے استاد کی زندگی میں انتقال کر گئے جس کا قاری ابو محمد کو ہمیشہ افسوس رہا۔

قاری فتح محمد پانی پتی (نابینا) قاری ابو محمد محی الاسلام کے دوسرے نامور شاگرد قاری فتح محمد صاحب ...بی تھے۔ جو بلاشبہ پانی پتی قراء وحفاظ کے "رئیس قافلہ" اور "سالار کارواں" ہونے کا شرف رکھتے ...ان کے فخر کے لئے کیا یہ کم ہے کہ انہی کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد اس پاکستان میں اور بعض عرب ...ب (مثلاً السعودیہ وغیرہ) میں زینت مدارس ہیں۔

قاری فتح محمد صاحب نے بھی یوں تو سیکڑوں حفاظ اور قرأ کو پڑھایا مگر ان کے لائق ترین شاگرد ...یار رحیم بخش صاحب ملتانی تھے۔ جنہوں نے تمام زندگی خیر المدارس میں قرآن مجید اور علوم قرأت پڑھانے ...بسر کی۔ اور جن کے شاگرد فی الوقت پورے ملک میں ہر طرف کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس وقت ...جگہ قاری محمد طاہر صاحب خدمات تدریس بجا لا رہے ہیں۔ اس طرح ان کا فیض، جاری ہے اور ...جاری رہے گا۔

قاری محمد محی الاسلام کی تصنیفی خدمات (۵) ذاتی تصانیف۔ قاری ابو محمد محی الاسلام ایک اچھے مصنف بھی تھے ان کی دو کتابیں، ان کی یادگار کے طور پر محفوظ ہیں۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ شرح سبع قرأت۔ قرأت قرآن کا موضوع، اسلامی موضوعات میں اہم ترین اور وسیع ترین موضوعات ...امل ہے۔ اس موضوع پر متعدد علماء دادِ تحقیق دے چکے ہیں جن میں سے علامہ سیوطی، امام الشاطبی، علامہ ...ی اور علامہ الجزری وغیرہ کی کتابیں نسبتاً زیادہ مقبول ہیں۔ قاری ابو محمد محی الاسلام بھی اسی موضوع پر ..."ح سبع قرأت" کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب کی ہے۔ اس میں قرأت کے بنیادی قواعد و رموز پر گفتگو کی ...ہے بقول قاری محمد طاہر صاحب "آج تک لکھی جانے والی کوئی کتاب نہ اس کا مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ اس کا ...بن سکتی ہے"[۱]

اس کی جلد اول مصنف نے اپنی زندگی میں طبع کی جب کہ دوسری جلد ان کے صاحبزادے پروفیسر محمد علی عثمانی ...ب (ہیڈ ماسٹر ایچی سن سکول لاہور) کی کوششوں سے عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو گی۔

---

[۱] روایت پروفیسر محمد علی عثمانی ہیڈ ماسٹر ایچی سن سکول، لاہور

۲۔ شجرۂ سبعہ قرأت: اس شجرہ میں فاضل مصنف نے اپنی ذات سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اپنا سلسلۂ سند پہنچایا ہے۔ اس شجرہ میں علاوہ سند کے، اپنے شاگردوں کو کچھ مفید نصیحتیں لکھی ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ ''وہ قرآن مجید کی لوجہ اللہ خدمت کریں۔ جو اہل ہو اُس کو بتانے میں ہرگز بخل اور نا اہلوں کے درپے نہ ہوں۔ نیز اہلِ مقدور اور غیر مستطیع تلامذہ میں فرق نہ کریں'' وغیرہ۔ یہ شجرہ چھپ چکا ہے۔

(ب) تفسیر مظہری کی اشاعت۔ ان دو تصانیف کے علاوہ قاری صاحب کا علمی و تفسیری د... سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ''تفسیر مظہری'' کی طباعت کا بیڑا اٹھایا اور اس کی اشا... بظاہر ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا۔

بلاخوف و تردید ان کی ذات گرامی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ تفسیر مظہری ک... کا اہتمام نہ فرماتے تو یہ علمی جواہر پارہ نہ جانے ابھی اور کتنی مدت دنیائے علم سے مخفی رہتا۔ یہ قاری... ہی کی ذات گرامی تھی جس نے اس تفسیر کو پردۂ اخفا سے نکالا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ا... کا کام پورا کر دکھایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

تفسیر مظہری جو ''بیہقی وقت'' قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کی لا... ہے اور جس کے بارے میں ابوحنیفۂ دوراں علامہ انور شاہ کشمیری کا یہ کہنا ہے کہ:

''اس جیسی تفسیر روئے زمین پر موجود نہیں ہے''[1]

اور جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے لئے حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، علم تاریخ، اجتہاد، و اشتقاق اور علوم تصوف کا حسنِ امتزاج ملتا ہے۔ دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ض... وسعت اس کی عربیت اور ہندوستان میں کتب عربیہ کی ناقدری کے باعث یہ تفسیر ایک طویل... تک دنیا کے سامنے نہ آسکی۔

اس نیک کام کا بیڑا سب سے پہلے مولوی رکن الدین القادری نے باعانت مولوی مبارک ا... اور ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) میں رو گڑی کاغذ پر تفسیر مظہری کی پہلی (سورۃ الفاتحہ۔ البقرہ) اور دوسری (آل عمران اور النساء) شائع کر دی۔ یہ نادر الوجود نسخہ اس وقت پنجاب پبلک لائبریری اور جامعہ پنجا... میں محفوظ ہے۔ اسی شائع شدہ نسخے کو مشہور مستشرق براکلمان نے دیکھا تھا اور اسی کا اس نے ا...

---

[1] سرورق تفسیر مظہری مطبوعہ ندوۃ المصنفین جلد ۴

محققین نے ذکر کیا ہے۔ مگر افسوس کہ مولوی رکن الدین مرحوم اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بعد ازاں سید محمد یامین میرٹھی نے مولوی عاشق الٰہی کے تعاون سے اپنے شہر میرٹھ سے تفسیر مظہری کی جلد سوم (المائدہ تا التوبہ) شائع کی۔ اس طباعت میں نسبتاً بہتر کاغذ استعمال کیا گیا۔ مگر وہ بھی اس کام کو آگے نہ بڑھا سکے۔ ان کے صاحبزادے سید جمیل الدین نے اپنے والد گرامی کے کام کی تکمیل کی کوشش کی۔ اور اس سے اگلی جلد ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء میں جیجہ وطنی سے شائع کر دی۔ مگر اس کی تکمیل وہ بھی نہ کر سکے۔

قاری ابو محمد محی الاسلام کی کوشش اور کامیابی

اس سلسلے میں قدرت نے کامیابی کا تاج قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی کے لئے مقدر کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہی اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے انہیں اس کام کا خیال کیسے آیا؟ اس کی بابت خود لکھتے ہیں۔

"دو سال قبل (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) میں ایک کام کی غرض سے حیدر آباد (دکن) گیا۔ تو وہاں کے بعض علم دوست بزرگوں نے از خود اس تفسیر کی عدم اشاعت کی وجہ دریافت کی۔ میں نے یہی وجہ (قلت سرمایہ) ظاہر کی۔ کچھ دیر تبادلہ خیال ہو کر یہ ذکر موقوف ہو گیا۔ چند روز بعد جناب فخر یار جنگ بہادر معتمد فنانس سرکار عالی نے مجھ سے دریافت کیا کہ اگر محکمہ اشاعت علوم سرکار عالی کچھ جلدیں لے کر ایک رقم عطا کرے تو کیا یہ تفسیر طبع ہو سکتی ہے۔ میں نے اقرار کر لیا۔ جس پر نواب صاحب ممدوح نے اپنی جانب سے محکمہ امور مذہبی میں اس تحریک کو پیش کر دیا۔ جو واپسی کے بعد بعض شرائط کے ساتھ منظور ہو گئی۔ الحمد للہ کہ ۲۱ علم کی دیرینہ آرزو پورا ہونے کا سامان ہو گیا[1]۔"

قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی کے، تفسیر مظہری کے طباعتی اور اشاعتی کام کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ تصحیح مسودہ تیاری مبیضہ برائے پریس

پریس کے لئے مسودہ کی تیاری آسان کام نہیں ہے تفسیر مظہری کی طباعت میں مذکورہ تاخیر کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ طباعت کے لئے اس کا مسودہ تیار نہ تھا اور اس کی ضخامت اور قلمی نسخے کی زبوں حالی کے پیش نظر یہ ایک جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس ضمن میں قاری صاحب کی کوششیں نہایت قابل قدر ہیں۔ انہوں نے پانی پت میں قاضی صاحب کے خاندان میں محفوظ اس قلمی نسخے سے مبیضہ تیار کیا۔ جو بقول قاری صاحب کسی عربی قواعد سے نابلد کاتب کا تحریر کردہ تھا۔ اور جس میں بے شمار اغلاط موجود تھیں۔

---

[1] تفسیر مظہری (قلمی)، فوٹو کاپی مملوکہ مقالہ نگار ص ۱۷

قاری صاحب نے اس قلمی نسخے پر نظر ثانی کرکے اس کی مدد سے ایک ایسا نسخہ تیار کیا جو بڑی حد تک اغلاط سے مبرّا تھا۔ ان کا تیار کردہ یہ نسخہ تین مرتبہ اصل سے اور چوتھی مرتبہ حضرت مؤلف کے نبیرہ قاضی عبدالسلام عثمانی کے مطالعہ کردہ نسخے سے موازنہ کرکے تیار کیا گیا تھا۔ پھر معنوی اعتبار سے بھی اس پر نظر ثانی کی گئی تھی۔

قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی اگرچہ اس قلمی نسخے سے تفسیر مظہری کی طباعت کا کام مکمل نہ کرسکے مگر بایں ہمہ اس امر کے قوی شواہد موجود ہیں کہ "ندوۃ المصنفین" کے ہاں سے طبع ہونے والی بقیہ جلدوں کا مسودہ بھی انہی کا تیار کردہ تھا۔

ب۔ تین جلدوں کی طباعت | بعد ازاں انہوں نے اعلیٰ معیار پر مجلس اشاعت اسلام حیدر آباد (دکن) کی مدد سے تین جلدیں (۱، ۲، ۵) طبع کردیں۔ جن کی طباعت میں انہوں نے کئی باتوں کا بطور خاص التزام فرمایا۔ اندرونی سرورق پر مفسر علام کے مختصر حالات زندگی اور علمی القاب کا اندراج کیا گیا۔ مذکورہ تین جلدوں میں سے اول الذکر دونوں جلدوں پر طباعت کی کوئی تاریخ درج نہیں۔ تاہم تیسری اور پانچویں جلد پر سن طباعت، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء درج ہے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اول الذکر دونوں جلدیں ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی ہوں گی۔

قاری ابو محمد محی الاسلام کا اس ضمن میں تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر مظہری میں درج نہ صرف "قرأت عشرہ" پر نظر ثانی کی بلکہ اس سلسلے میں مفید حواشی بھی قلم بند کئے۔ قاضی صاحب نے قرأت عشرہ کی تسوید و کتابت میں جہاں کہیں کوئی بات خلاف واقعہ ان کو نظر آئی، قاری صاحب نے حواشی میں اس کی تصحیح فرما دی۔ اس طرح تفسیر مظہری "قرأت عشرہ" پر ایک جامع کتاب کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ قرأت عشرہ کا یہ التزام کسی اور تفسیر میں نظر نہیں آتا۔

جب تک دنیا میں تفسیر مظہری اور پانی پتی طریقۂ "تدریس قرآن" زندہ ہے، قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی کا نام بھی زندہ و جاوید رہے گا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

مولانا حکیم جمیل احمد عرف خادو استاذؒ (مردان) اور مولانا غلام ربانیؒ (رحیم یارخان) کا سانحہ ارتحال

جمادی الاوّل کے آخری عشرہ میں مرکز علم دارالعلوم اپنے ایک دیرینہ، مخلص اور شفیق سرپرست مولانا حکیم جمیل احمد
) سے محروم ہوگیا۔ مرحوم کو دارالعلوم حقانیہ سے بے پناہ محبت، حضرت شیخ الحدیث سے گہری عقیدت تھی۔
یہ دارالعلوم کے ابتدائی ایام میں مکمل سرپرستی فرمائی اور مرحوم نہایت ہی متقی اور پرہیزگار عالم دین تھے تصوف
علق تھا، قرآت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ طب نبویؐ اور علم حکمت کا ان کے پاس ایک بیش قیمت خزانہ تھا۔
یض سے ہزاروں جسمانی اور روحانی مریضوں نے شفاء کامل پائی۔

ان کی پوری زندگی تبلیغ دین، خدمت خلق، علم کی سرپرستی اسلام کی بے لوث خدمت اور رشد وہدایت
دی۔ انہوں نے تمام زندگی درس وتدریس پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ اتباع سنت انکساری اور عبدیت ان
میں نمایاں تھی۔ آخر ۱۲ر جمادی الاوّل بمطابق ۲۸ر نومبر بروز جمعرات اپنے آخری چند لمحات میں اپنے رب
ے سربسجود ہوتے اور نماز تہجد ادا کرنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کی رحلت سے مرکز علم
م حقانیہ اپنے ایک بہت بڑے محسن اور مجلس شوریٰ کے بزرگ اور مخلص رکن سے محروم ہوگیا۔ ان کی
ی خبر دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء اور تمام ارباب علم کے لیے ایک حادثہ فاجعہ تھی۔ ادارہ مرحوم کے
صوص حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب اور ان کے برادران کے ساتھ برابر غم میں شریک ہے باری تعالےٰ مرحوم
لدرث اپنی رحمتوں سے نوازے۔

ذشتہ ماہ جمیعۃ علماء اسلام کے معروف رہنما بقیۃ السلف حضرت مولانا غلام ربانی صاحب بھی علالت کے بعد
ان میں رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا علیہ راجعون مرحوم جمیعۃ علماء اسلام کے اکابرین اور ربانی حضرات سے تھے۔
ی قومی اور ملی خدمات کا ایک زمانہ معترف تھا۔ تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک نفاذ شریعت
ریعت محاذ اور متحدہ علماء کونسل کے حوالے سے مرحوم ہمیشہ حضرت مولانا مفتی محمود، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق
سمیع الحق کے ساتھ رہے، ان کا سانحہ ارتحال جماعتی کاز کے لیے عظیم خسارہ اور علمی ودینی حلقوں کیلئے بہت
ا ہے مرحوم کی میت ان کے آبائی گاؤں علاقہ چھچھ میں لائی گئی تو دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق اور
لبہ نے بھی مرحوم کے جنازہ میں شرکت کی اور مولانا سمیع الحق نے جنازہ میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے مولانا کی
ت کو خراج تحسین پیش کیا۔

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- ترکی میں انتخابات
- مسلمان سلاطین کا ادب قرآن
- دینی لٹریچر کے فروغ پر خصوصی توجہ

ترکی کے انتخابات

ترکی میں اتاترک کا منحوس دور ختم ہو رہا ہے اور درخشاں اور تابناک مستقبل سامنے نظر آ رہا ہے ترکی میں حالیہ انتخابات میں مغرب نوازوں کی شکست ہوئی ہے جس سے یورپ و امریکہ غیر معمولی پریشانی ہوئی، ترک پارلیمنٹ کی ۴۵۰ نشستوں کے لیے انتخابات میں کسی پارٹی کو مطلوبہ اکثریت ۲۲۶ نشستیں نہیں ہو سکیں۔ مگر اندازہ ہے کہ ماضی میں ملک میں چھ مرتبہ وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہنے والے اور دو مرتبہ کے ہاتھوں معزول کیے جانے والے لیڈر سلیمان ڈیمریل صدر کی مخالف جماعتوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائیں گے اور ساتویں مرتبہ وزارت عظمیٰ کے منصب پر منتخب کر لیے جائیں گے۔

نئے انتخابات سے جو نیا سیاسی نقشہ ابھرا ہے اس میں بالترتیب قدامت پسند، ترقی پسند، سوشلسٹ اور پرست عناصر پارلیمنٹ میں مخلوط طور پر ایک ایسی حکومت تشکیل دے سکتے ہیں جو مدر لینڈ پارٹی کے آٹھ سالہ سیا اقتدار کی اقتصادی، معاشی اور بین الاقوامی سیاسی پالیسیوں کی خرابیوں کو اجاگر کر کے برسر اقتدار رہ سکتی ہے، البتہ باقی ہے کہ احباب احیائے اسلام کی داعی رفاہ پارٹی جو تیسری بڑی جماعت کی حیثیت سے ابھری ہے اور اس کے نجم الدین اربکان ہیں پارلیمنٹ میں سلیمان ڈیمریل کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے ہیں، یا وہ سیکولر آئین کی مخالفت کو اسی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں جتنی انتخابی مہم کے دوران رہی۔ لیکن مبصرین کا کہنا ہے کہ نجم الدین کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں، کیونکہ آئندہ سال صدارتی انتخابات میں سلیمان ڈیمریل کے لیے نجم الدین اربکان کی حمایت حاصل کرنے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اسی توقع پر دونوں پارٹیوں میں اتحاد کا زیادہ امکان ہے۔

ترکی کے تین کروڑ ووٹروں نے حکمران پارٹی کو مسترد کر کے اپنے رجحان اور ملک کی منزل کو متعین کر دیا ہے یہ اتنی بڑی کامیابی ہے جس سے استعماری طاقتوں کے درمیان کھلبلی مچ گئی ہے اور انہوں نے ذرائع ابلاغ کی پو طاقت کو دین پسندوں کے خلاف مہم میں لگا دیا ہے۔ لیکن ترک عوام کی بیداری اور روس کے زیر اثر مشرقی یورپ بیداری کی لہروں نے انقلاب کی لکیروں کو واضح کر دیا ہے ان کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔

مسلمان بادشاہوں میں قرآن کا ادب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ "جو لوگ ادب کا خیال نہیں رکھتے سنت کی محرومی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جو سنت کی محرومی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرائض کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے..... الآخر

آج کل قرآن کریم کے ادب کے بارے میں غفلت برتی جاتی ہے ایک زمانہ تھا کہ ہمارے بادشاہ اور سلاطین تک اس کا بے حد اہتمام رکھتے تھے۔

مندرجہ ذیل واقعہ تاریخ مکہ جلد دوم تالیف محمد طاہر الکردی المکی کا ترجمہ ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ ع

وہ زمانے میں عزت والے تھے صاحب قرآن ہو کر

ترجمہ:۔ سب سے پہلے جس نے خادم الحرمین کا لقب اختیار کیا وہ سلطان سلیم خان، جو کہ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے سلطان تھے۔ جب وہ عرب ممالک میں داخل ہوئے اور الحجازان کی حکومت میں آیا تو لوگ انہیں محافظ الحرمین شریفین کے خطاب سے پکارنے لگے۔ جو کہ انہیں ناپسند ہوا اور کہا ان کا محافظ تو اللہ عز شانہ ہیں، میں تو خادم الحرمین الشریفین ہوں اللہ تعالےٰ رحم فرمائے سلاطین عثمانیہ پر وہ حرمین کی حرمت پہچانتے تھے۔ وہ یہاں کے رہنے والوں کا بے حد ادب کرتے تھے ان کے لیے ماہوار وظیفے مقرر کر رکھے تھے اس کے علاوہ حج کے موسم میں نذرانے انہیں ذمہ داروں کی وساطت سے دیتے جاتے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگ اپنے گھر کعبہ سے اونچے نہیں بناتے تھے اور یہ کعبہ کے احترام کی وجہ سے تھا جیسا کہ امام ارزقی نے لکھا ہے۔ پہلے زمانہ کے لوگ آداب کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ بادشاہ سونے کے لیے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئے اپنے بستر کے پاس دیوار پر قرآن نامناسب جگہ پر لٹکا ہوا دیکھا تو ادب کی وجہ سے ساری رات سو نہ سکے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ہمارے اسلاف میں بادشاہوں اور سلاطین کا ادب کا یہ حال تھا۔ خیال کریں اس وقت کے صلحاء و علماء کا کیا حال ہوگا۔

حکومتی اداروں کو دینی لٹریچر کے فروغ پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے

عربی کے مشہور شاعر متنبی کے شعر کا مصرعہ ہے وخیر جلیس فی الزمان کتاب کہ بہترین دوست زمانے میں کتاب ہے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حصول علم کے لیے تین چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں استاد، مدرسہ، کتاب، ان تینوں اشیاء کے بغیر علم کا تصور کرنا گویا محال ہے عصر رواں علم اور روشنی کا دور ہے یعنی مختلف علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال رہی ہے اندریں حالات علمی میدان میں پستی انتہائی معیوب چیز شمار کی جاتی ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ یورپین اقوام گو کہ اخلاقی لحاظ سے گراوٹ کی طرف جا رہی ہیں مگر مادی لحاظ سے انہوں نے علم و فن کے اوج ثریا میں قدم رکھا تھا اور مزید ترقی

کی طرف رواں دواں ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمان اس کارزارِ حیات میں سب سے مقدم ہوتے جیساکہ ان کے اسلاف اور بزرگوں کا یہ وطیرہ رہا ہے لیکن انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی میراث کو چھوڑا اور آج غیر قومیں ہمارے علمی ورثے سے مستفید ہو رہی ہیں چنانچہ یہی رونا علامہ اقبالؒ نے رویا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

پاکستان جو کہ اسلامی ممالک کے لیے ایک قلعہ کی مانند ہے یہاں پر شرح خواندگی مایوس کن حد تک کمزور ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں پر اس شرح کو بڑھانے کی کوشش کی جائے اس سلسلہ میں بنیادی بات کتابوں کی اشاعت و ترویج ہے کہ سب سے پہلے ایسی کتابیں آجائیں جو ہماری ملی ترقی کے ساتھ مادی میدان میں بھی کارآمد ثابت ہوں تاکہ ہماری نسلیں ہماری تاریخ ثقافت تمدن فنون اور کارہائے نمایاں سے واقف ہوسکیں۔

علمی میدان خواہ معاشیات کا ہو یا ریاضیات کا، سائنس کا ہو یا فزکس اور کیمیا کا انجینئری کا ہو یا عمرانیات کا کمپیوٹر کا نظام ہو یا ٹیکنالوجی کا اسی طرح اخلاقیات، ایمانیات اور ہمارے مسلمان ہونے کے ناطے جن علوم سے ہمیں بہرہ ور ہونے کی ضرورت ہے مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام و عقائد و تاریخ اسلام کے علاوہ ادب، نظم و نثر اور وہ تمام علوم جن سے ہم استفادہ اور رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ادارہ نیشنل بک فاؤنڈیشن صوبہ سرحد جو کہ وفاقی وزارت تعلیم کے زیر اہتمام کام کر رہا ہے کتابوں کی تقسیم اور ترویج علوم میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے فی زمانہ تعلیم بنیادی ضروریات میں شامل ہے حکومت وقت کو چاہیئے کہ تعلیم کا مفت انتظام کرے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن سرحد کی کارکردگی اگرچہ بہتر ہے تاہم ادارہ دینی لٹریچر، تفسیر حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامیات کی اہم مستند کتابوں کی طباعت اور علمی و دینی حلقوں میں اس کی مفت تقسیم کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ (ابو محمد یوسفزائی)

قارئین سے گذارش

یہ ہے کہ گذشتہ دو تین سال سے کاغذ کی گرانی، کتابت، طباعت اور بائینڈنگ پر دوسرے اخراجات کے باوجود "الحق" نے اپنے قارئین کو سالانہ زرِ تعاون میں اضافہ کی زحمت نہیں دی مگر اب جبکہ وسائل کی قلت، شدید مہنگائی اور اخراجات کی کثرت کے پیش نظر قارئین سے اصل لاگت کی بنیاد پر تعاون کے بغیر ادارہ کے لیے کام کرنا ممکن نہیں رہا اس لیے اپنے کرم فرماؤں اور مخلصین سے یہی درخواست ہے کہ آئندہ صرف ۱۰ روپے کا اضافہ اور وہ بھی ایک دینی ادارہ کی سرپرستی اور تعاون کی نیت سے قبول فرما کر سالانہ چندہ ۶۰ روپے بھیجا کریں، خدا کرے یہ معقول اضافہ قارئین کیلئے بارِ خاطر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجرِ عظیم عطا فرماتے۔ (ادارہ)

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرہ کتب

امہ" الرشید" دعوت و تبلیغ نمبر مدیر مسئول، مولانا عبدالرشید ارشد ــــ صفحات ۱۴۴ ــ قیمت ۱۵ روپے
پتہ ۔ ۲۵ لوئر مال ۔ لاہور

ماہنامہ الرشید ۔ ملک کا معروف دینی اور علمی جریدہ ہے اپنے علمی اور تاریخی خصوصی نمبر مثلاً
لعلوم دیوبند نمبر، حضرت مدنی و اقبال نمبر کی اشاعت پر پوری اسلامی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا
،۔ مولانا عبدالرشید ارشد جیّد عالم معروف صحافی، ادیب اور خطیب ہیں "بیس بڑے مسلمان" ان ہی کی
ہکار تالیف ہے، اب کا الرشید کا یہ خصوصی نمبر بھی ان ہی کی محنتوں اور عظیم کاوش کا نتیجہ ہے جو دعوت و
غ کے موضوع پر گویا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ــــ مولانا محمد اشرف سلیمانی مدظلہ کا مضمون 'صدیق
ت یوسفؒ' ــــ مکہ مکرمہ سے ایک والد کا اپنی اولاد کے نام فکر انگیز خط' ــــ واردات مشاہدات مدیر
ول کے قلم سے مولانا الیاسؒ کے بچپن سے شروع ہونے والی داستانِ عزیمت' ــــ بارہ باتیں مع تفصیل
وضاحت' ــــ مشورہ کے ۲۳ آداب و فضائل' ــــ گشت کے ۱۷ فضائل' ــــ عمومی گشت
، ۶۲ آداب' ــــ چھ نمبروں کا مفصل بیان' ــــ خصوصی گشت کے ۳۴ آداب' ــــ تعلیمی گشت
ے ۹ آداب' ــــ تعلیم کے ۱۹ فضائل' ــــ تعلیم سننے کے ۱۹ آداب' ــــ تعلیم کرانے کے ۲۱
اب' ــــ مقامی کام کی ترتیب کے ۳۲ اصول' ــــ بیمار کی عیادت کے ۱۰ فضائل ــــ بیمار کی
دت کے ۱۵ آداب' ــــ مستورات میں کام کی ترتیب' ــــ اور بہت کچھ آگیا ہے یقین ہے کہ علمی و
ی اور تبلیغی حلقے اس کی قدر کریں گے قیمت نہایت ہی معقول ہے۔

لیحضرت کے باغی از مولانا سید محمد سلیم زید مجدہ، ــــ صفحات ۲۶۴ ــــ کاغذ و طباعت اعلیٰ
ناشر قاری تصور الحق ۔ مکتبۃ القاسم برمنگھم۔ انگلینڈ۔

لستان میں ملنے کا پتہ ۔ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی ۔ المکتبۃ المدنیہ ۱۷۔ اردو بازار لاہو
بریلوی جماعت کے افکار و نظریات کی خوشنما عمارت بے سروپا روایات، من گھڑت حکایات اور مفروضات
ائم ہے ۔ اسلام کے مسلمہ عقائد اہلسنت والجماعت کے غیر متزلزل افکار اور تصوف کی مقدس قدروں کا اس
وہ کے علماء نے قطع و برید کر کے حلیہ بگاڑ دیا ہے ۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی اور ان کے نامور علماء کی عبارات کے

تناظر میں مؤلف علام نے واضح کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے خانہ ساز عقائد و نظریات اور بعض رسومات دین اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ موجد جماعت اور دوسرے بریلوی علماء کے قول و فعل اور نظریات میں زبردست تضاد پایا جاتا ہے۔

مؤلف کا اسلوب نگارش دلنواز، طرز استدلال سنجیدہ اور دل آویز ہے اگرچہ اس موضوع پر لاتعداد کتابیں موجود ہیں۔ لیکن یہ کتاب اپنی نوعیت میں یگانہ ہے اللہ تعالٰے مولانا ممدوح کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں اجر عظیم عطا فرماتے۔ (م ع م)

اصول السنۃ لرّد البدعۃ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب فاضل دیوبند کی عربی تالیف ہے ان کے لائق تلمیذ جناب ابو الفیض محمد عبدالبر صاحب نے اس کا سلیس با محاورہ اردو میں ترجمہ کیا ہے عمدہ طباعت، بہترین کتابت، ٹائیٹل دیدہ زیب، قیمت درج نہیں، درج ذیل پتہ سے دستیاب ہے۔ اشاعت التوحید والسنہ، نور مسجد، سر سید روڈ، منظور کالونی، کراچی

صدائے محراب از صاحبزادہ طارق محمود ــــ صفحات ۶۰۰ ــــ قیمت ۱۵۰ روپے
ناشر مکتبہ "لولاک" جامع مسجد ریلوے کالونی فیصل آباد

مؤلف مولانا صاحبزادہ طارق محمود تحریک ختم نبوت کے معروف رہنما مولانا تاج محمودؒ کے فرزند اور ان کے جانشین ہیں جنہوں نے "صدائے محراب" میں سال بھر کے ۵۲ خطبات جمعہ کو عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق ادیبانہ اور خطیبانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مؤلف نے محرم الحرام سے لے کر ذوالحجہ تک اسلامی سال کی تاریخ کے اہم واقعات کو مختلف موضوعات کے تحت قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری واقعہ کی اہمیت و فضیلت سے متاثر ہوتے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ توحید و رسالت، فضائل صحابہؓ ختم نبوت، معراج النبیؐ، رمضان و قرآن جہاد کی فرضیت، فضائل درود پاک، موت کی یاد، فلسفہ حج و قربانی تخلیق آدم جیسے پاکیزہ عنوانات حسن کلام کا ایسا مجموعہ ہیں۔ جو نو آموز مقررین، خطباء اور علم و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے موضوعات و تخیلات کا حسین گلدستہ ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۲ خطبات "صدائے محراب" کے حقیقی حسن اور روح بیان کا درجہ رکھتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر نبوت کی تاج پوشی تک کے واقعات کو صاحبزادہ طارق محمود نے عقیدت اور وارفتگی کے ایسے وجد آفرین عالم میں تحریر کیا ہے کہ پڑھنے والا بے خودی میں جھوم اٹھتا ہے۔ فتح مکہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم، خلق و سلوک اور مدینہ میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلہ و استقبال کے منظر کا مؤلف نے ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ سارے واقعات نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔

موصوف نے منبر و محراب کی صدا کو قلم بند کر کے اہل محراب کے لیے گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے۔
تاب کا ابتدائیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کا تحریر کردہ ہے ۔ مفید کاغذ ۔ عمدہ کتابت
اعلیٰ طباعت ۔ تین رنگا خوبصورت لیمینیشن ٹائیٹل پرکشش اور جاذب نظر ہے ۔

روحانی گلدستہ | از علامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ——— صفحات ۱۱۰ ——— قیمت تبلیغی فنڈ ۱۰ روپے
ناشر دارالارشاد مدنی روڈ اٹک شہر پاکستان

خالق ارض و سماء نے انسان کو دو اجزاء سے مرکب پیدا کیا ہے ایک جسد دوم روح ۔ اور یہ بھی
یک حقیقت ہے کہ ان اجزاء میں سے اہم چیز روح ہے روح کے بغیر بدن بے فائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ
نے ہر ایک کے لیے مناسب غذا پیدا فرمائی ہے بدن کی غذا طعام اور روح کی غذا عبادت و اذکار ہے ۔
اگر انسان ذکر میں مشغول رہتا ہے ۔ سلف صالحین بزرگانِ دین کی کتابوں کے مطالعہ میں لگا رہتا ہے تو
س سے روح تر و تازہ رہتی ہے اور روح کو غذا مہیا ہوتی ہے ۔ علماء کرام نے لاتعداد کتابیں لکھی ہیں مگر
یشِ نظر ذکر و اذکار پر حضرت العلامہ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب کی کتاب مختصر ، انوکھی ، دلچسپ اور ہر لحاظ سے
امع و نافع ہے ۔ حضرت قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں ذکر اور تسبیحات کے فضائل و برکات اور اسکی دنیوی
خروی ثمرات اور خصوصاً کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر مفصل بحث کی ہے جس سے ہر انسان نفع اٹھا سکتا ہے اور جو بھی
س کا مطالعہ کرے تو اس کے لیے مشعل راہ ہے ۔ عام لکھے پڑھے افراد ، معمولی استعداد کے مسلمان چھوٹے درجے
ے طلبہ بھی آسانی سے استفادہ کر سکتے ہیں واقعۃً روحانی گلدستہ ہے ۔ (ع ق ح)

المدخل فی اصول الحدیث | از الامام الحاکم ابو عبداللہ النیساپوری ؒ ۔
ناشر الرحیم اکیڈمی ، اے ۱/۷ ، اعظم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد کراچی ۱۹

حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ کا مشہور رسالہ ہے جو علم اصول الحدیث میں ایک
متیازی شان رکھتا ہے ، حافظ ابو عبداللہ الحاکم کی عظمت و جلالت شان متفق علیہ ہے ۔ آپ فن جرح و تعدیل ، علم اسماء
الرجال اور روایت و درایت میں کامل درک و اختصاص کے مالک تھے ۔

آپ کی گرانقدر تصانیف میں جہاں "مستدرک حاکم" اور "تاریخ نیشاپور" کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہوئی وہاں آپ
کا مختصر مگر جامع ترین رسالہ " المدخل فی اصول الحدیث " بھی کسی درجہ میں کم اہمیت کی حامل نہیں ۔
دراصل یہ رسالہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ حاکم کی ایک دوسری معرکۃ الآراء تصنیف " الاکلیل فی الحدیث "
کی تقدیم ہے ۔ اس کے جملہ مضامین پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اس میں حدیث صحیح پر بحث کی گئی ہے ۔ ثانیاً
اس کی دس اقسام اس طرح قرار دی گئی ہیں کہ پانچ مختلف فیہ ہیں اور پانچ متفق علیہ ہیں ، ثالثاً جرح کے موضوع پر

بحث کرتے ہوئے مجروحین کے دس طبقات ذکر کیے گئے ہیں اس ضمن میں ہر دو مباحث اس انداز سے کیے گئے ہیں کہ بطور پر اصول حدیث کی کتابوں میں یہ بحثیں موجود نہیں۔ رابعاً آخر میں الاکلیل کی احادیث مرویہ کے متعلق بالخصوص ان کا ذکر موجود ہے جن سے ہر حدیث کے بارے میں صحت وضعف اور درجۂ صحت کا علم ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ مختصر رسالہ اصول حدیث کی انتہائی مفید اور منفرد معلومات سے مالا مال ہے تاہم جستہ جستہ مقامات پر حاکم جیسی جلیل القدر شخصیت سے بھی نقد وجرح میں ذہول ہو گیا ہے۔

مزید براں ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق حاکم اپنی جلالتِ شان کے باوجود تعصبات سے بالاتر نہ رہ سکے اور جا انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے۔ چنانچہ وہ حضرت امام اعظمؒ اور ائمہ احناف کا تو سرسری تذکرہ کرنے پر اکتفا ہیں جبکہ یہ حضرات جس رتبۂ بلند کے مالک ہیں وہ اس کا متقاضی ہے کہ ان ہستیوں کا ذکر خیر ایسے الفاظ سے کیا جاتے جس ان کے مرتبہ اور مقام کا صحیح تعین ہو سکے، اور پھر حاکم جیسی بھاری بھرکم شخصیت جو جرح وتعدیل کے فن میں ایک منفرد رکھتے ہیں حضرات ائمہ احناف کے رتبہ عالی سے کس طرح بے خبر رہ سکتے ہیں کہ اس کو ان کی کوتاہ نظری یا تسامح پر محمول جاتے، پھر یہ نظر کرم جو ائمہ احناف پر ہے دوسروں پر کیوں نہیں؟ ان کے علاوہ دیگر ائمہ کو شاندار الفاظ کے ساتھ خراج پیش کرتے ہیں۔

حاکم کے ان مباحث پر تحقیقی نظر ڈالنے کے لیے وہ تبصرہ بھی ملاحظہ ہو جو الرحیم اکیڈمی نے اصل کتاب کے ساتھ شائع ہے، یہ دراصل حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی وہ نادر اور پرمغز تحریر ہے جو پہلی مرتبہ ہندوستان میں ماہنامہ "بر کے صفحات کی زینت بن کر اربابِ فن وکمال سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے اس میں حضرت ممدوح مدظلہم نے وہ تحقیقا اینقہ درج فرمائی ہیں جو فن روایت ودرایت اور علم اسماء الرجال کا ذوق رکھنے والے علماء اور طلبۂ حدیث واصول کے لیے غنیمت بارِدہ ہیں، کسی فن کے ایک بہت بڑے مسلم الثبوت امام کے تحریر کردہ رسالے پر حرف گیری ہر کس کے بس میں نہیں یہی کام وہی شخص کر سکتا ہے جو بالغ نظری کے ساتھ ساتھ مقام ادب کو بھی ملحوظ رکھے۔

حضرت مولانا نے اپنے تعقبات تنقیدات میں ان نزاکتوں کو بھی مکمل رعایت فرمائی۔ غرضیکہ المدخل فی اصول ا پر مولانا مدظلہٗ کا یہ تبصرہ ایک انوکھا شاہکار ہے جس کی قدرشناسی یہ ہے کہ اسے پہلی فرصت میں پڑھا جاتے اور پھر مطالعہ کیا جاتے۔ یہ رسالہ عرصہ دراز سے غیر مطبوعہ بلکہ نایاب تھا چنانچہ حال ہی میں الرحیم اکیڈمی نے اسے بہترین میں شائع کیا ہے جس پر وہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔

خریدار حضرات خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (ادارہ)

بروقت - محفوظ - باکفایت
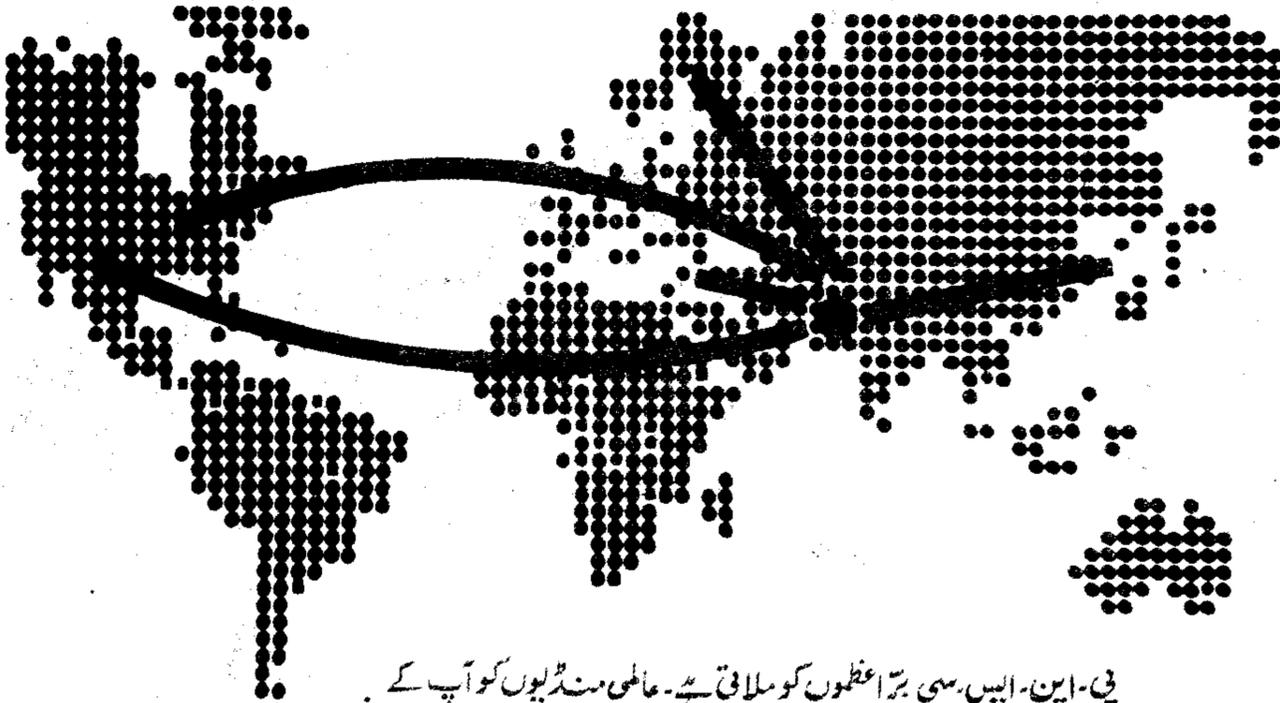
پی۔این۔ایس۔سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC 2 88 PID - Islamabad

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ
بندرگاہ کراچی
جہازرانوں کی جنت
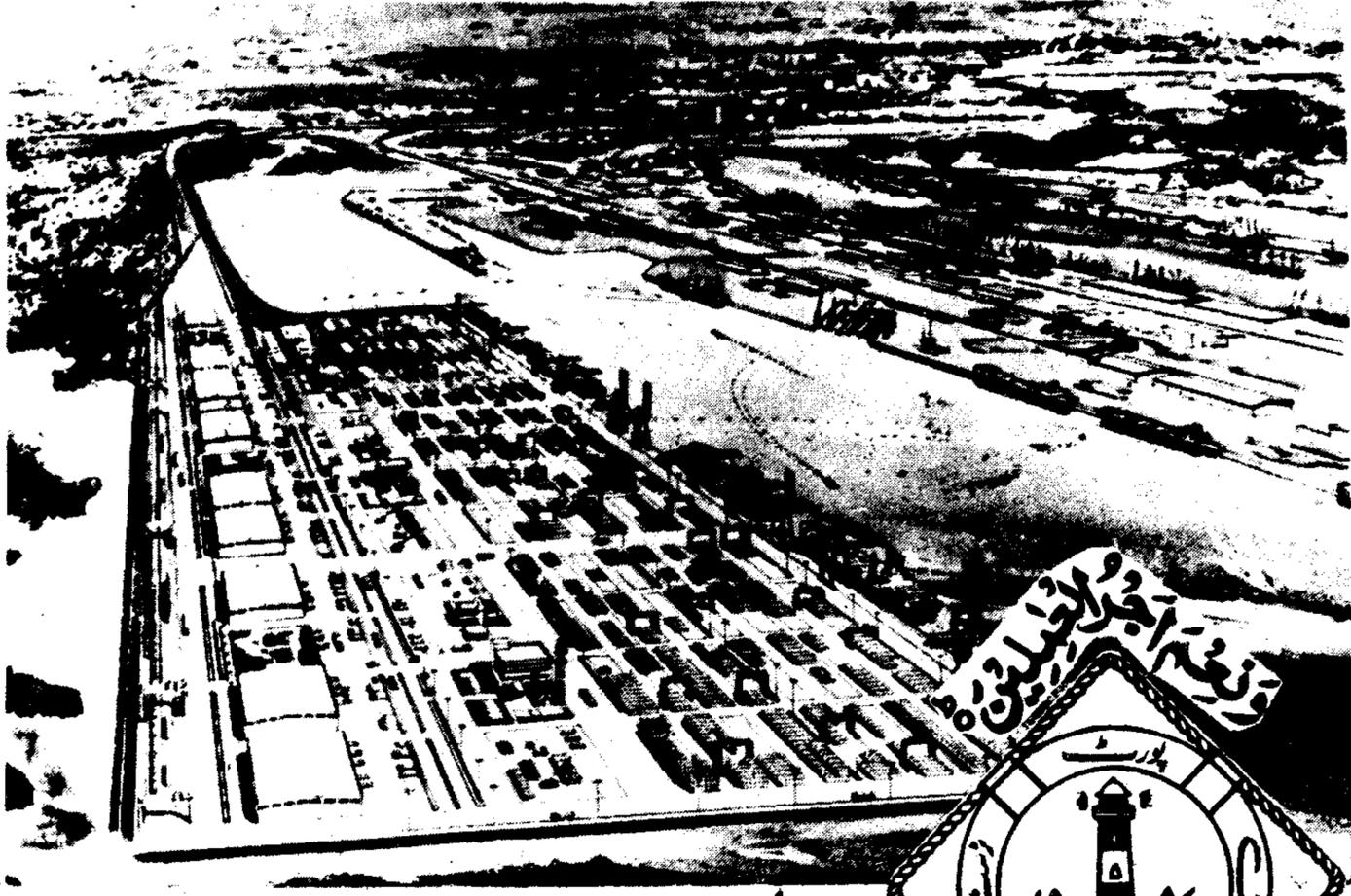
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT 4 88 PID Islamabad

REGD. NO. P.90

AL-HAQ